بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر رضا کا بے باک نقیب دینی، مذہبی، دعوتی اور علمی رسالہ

سہ ماہی

مسلک اعلیٰ حضرت

مظفر پور

ڈیجیٹل ایڈیشن

شمارہ: نمبر- 2
جلد: نمبر- 1
ماہ
جنوری JANUARY 2022
فروری FEBRUARY 2022
مارچ MARCH 2022

مدیر اعلیٰ
محمد قمر الزماں

نائب مدیر
غلام جیلانی جامعی

معاون مدیر
آل مصطفیٰ مرکزی

حضور حجۃ الاسلام کے خطبہ صدارت کی عصری معنویت
امام غزالی اور حیات و خدمات
قصیدہ معراجیہ موسوم بہ ''در تہنیت شادیِ اسریٰ'' ایک جائزہ
لفظ ''حضرت'' معنی و مفہوم اور اس کا نشیب و فراز
مسلم معاشرے کی خرابیاں اور ان کی اصلاح

ادارہ: لوح و قلم سعد پورہ، مظفر پور، بہار، الہند

جلد نمبر:۔ 1 شمارہ:۔ 2

بظل روحانیت : سرکار غوث اعظم، سرکار خواجہ غریب نواز، سرکار مخدوم بہاری، سرکار اعلیحضرت، سرکار خاکی بابا، سرکار محبی، سرکار تیغ علی قدست اسرارہم

سہ ماہی

بفیض روحانی: وارث علوم اعلیٰ حضرت حضور تاج الشریعہ شاہ محمد اختر رضا قادری بریلوی قدس سرہ

مسلک اعلیٰ حضرت
مظفر پور

بہ فیضان نظر: شبیہ مفتی اعظم حکیم اہلسنت مفتی سبطین رضا قادری قدس سرہ

سرپرستی: قائد ملت شہزادہ حضور تاج الشریعہ مفتی محمد عسجد رضا خان قادری مد ظلہ بریلی شریف، یوپی

صدارت: قاضی شریعت چھتیس گڑھ داماد حضور تاج الشریعہ مفتی سلمان رضا قادری مد ظلہ بریلی شریف، یوپی

مدیر اعلیٰ: محمد قمر الزماں مصباحی

نائب مدیر: غلام جیلانی جامعی

معاون مدیر: آل مصطفیٰ مرکزی

مجلس مشاورت

ڈاکٹر حسن رضا خاں، پٹنہ
مفتی شمیم القادری، مظفر پور
مفتی اشرف رضا قادری، ممبئی
مولانا انظار الحسن خان رضوی
مولانا محمد سلیم الزماں نوری
مولانا ثناء المصطفیٰ نوری، پٹنہ
جناب ماسٹر امجد رضا نوری، کمہرار
پروفیسر نظام الدین، مظفر پور
مولانا مہتاب عالم مصباحی
مولانا سید سعید صدف، پھلواری شریف
مولانا نظام الدین، رائے پور
مولانا لئیق الدین مصباحی بھلائی
مولانا شمس نظامی، پونہ
مولانا تحسین رضا مصباحی خاکی
مولانا ضیاء المصطفیٰ مدنی
مولانا محمد شاہد رضا علیمی
مولانا حامد رضا مصباحی پونہ
مولانا سجاد حسین گجرات
مولانا محمد رضا قادری

مجلس ادارت

ڈاکٹر امجد رضا امجد، ادارہ شرعیہ پٹنہ
مفتی محمد شمشاد حسین بدایوں
مولانا عبدالرزاق پیکر رضوی، پٹنہ
ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی، پٹنہ
مولانا محمد شاہد القادری، کلکتہ
مفتی جلال الدین رضوی بھلائی
مفتی ندیم الزماں اجمل مصباحی
مولانا محمد اشرف رضا رائے پور
مولانا محمد صابر القادری کمہرار
مولانا محمد تحسین ضیا مصباحی
مفتی غلام سرور، پورنیہ، بہار
مولانا سلمان رضا مصباحی، دہلی

انتباہ: مضمون نگار کے آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں یہ خالص مسلک رضا کا ترجمان رسالہ ہے۔ مسلک مخالف کوئی بھی مضمون شریک اشاعت نہیں کیا جائے گا اور کسی بھی طرح کی قانونی چارہ جوئی کیلئے صرف مظفر پور کوٹ میں ہی شنوائی ہوگی۔ (ادارہ)

ادارہ: لوح و قلم سعد پورہ، مظفر پور، بہار، الہند
+91- 9122426786
+91- 9576401232
+91- 9430860560

ادارہ لوح وقلم سعد پورہ مظفر پور

خدمات ۔۔۔۔منصوبے۔۔۔۔طریقہ کار

ادارہ لوح وقلم مظفر پور خالص سنی اور غیر سیاسی ادارہ ہے جس کا مقصد علمائے اہلسنت کے کتب ورسائل بالخصوص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ کے پاکیزہ افکار ونظریات کی ترویج و اشاعت ہے عظمت توحیدورسالت کا تحفظ اور چودہ سوسالہ اسلامی ورثے کی بقا تعلیماتِ رضا کا اہم حصّہ ہے آپ نے ایمان وعقیدے کی حفاظت اور تحریک عشق رسالت کی جو مہم چھیڑی اس تحریک اور مہم کو زندہ رکھنا ہمارے ایمانی جذبے کی اصل پکار ہے بس اسی پاکیزہ خیالات کے پیشِ نظر اس ادارے کا قیام عمل میں آیا لحمدللہ! اب تک اس کے زیر اہتمام ایک درجن بڑی چھوٹی کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور اب تو یہ سلسلہ نوردراز سے درازتر ہوتا جارہا ہے اور رضویات کے فروغ میں کوشاں ہے۔

منصوبے :

تاج الشریعہ لائبریری کا قیام

دارالتصنیف والتحقیق کا قیام

داعی ومبلغین کا دستہ تیار کرنا اور عوام اہل سنت کے عقیدے کے تحفظ کے لیے اصلاحی مجالس کا قیام

تو آیئے! فروغ سنیت میں ہمارا ساتھ دیجئے اور اس مشن کا حصہ بن جایئے

آپ کا مخلص

سلمان رضا مصباحی

رکن ادارہ لوح وقلم سعد پورہ

مظفر پور

سرزمین کمہار محلہ ابراھیم نگر میں

خلیفہ حضور تاج الشریعہ قمر اہلسنت حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مصباحی کے ہاتھوں ''مدرسہ رضویہ گلشنِ ابراھیم'' کا سنگ بنیاد

علم ایک نور ہے اس کے بغیر خیر وشر اور حلال وحرام کی تمیز مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ غار حراء سے جو پہلی آیت نازل ہوئی وہ علم کے حوالے سے ہے جب معاشرہ پڑھا لکھا ہوگا تو امن وامان، چین وسکون اور خوشحالی کی بالادستی ہوگی اللہ تعالیٰ صبحِ قیامت تک رحمتوں کے پھول برسائے محترم ذی حشم جناب ابراہیم حسین محبائی کی قبر پر جنہیں اللہ کریم نے زمین وجائداد کی فراوانی کے ساتھ دل کا بھی سخی اور غنی بنایا تھا لہذا اپنی زندگی ہی میں مسجد، عیدگاہ اور مدرسہ کے لیے اچھی خاصی زمین وقف کردی تھی مسجد کی تعمیر کے بعد اللہ کے پیارے ہوگئے لیکن ان کی آرزو کو تشنہ نہیں چھوڑا بلکہ ان کے صاحبزادوں اور پوتوں نے مل کر یہ کام مکمل کردیا ہمیں یقین ہے کہ ان کی روح قبر میں مسکرا رہی ہوگی۔

آپ اہل دل سے گزارش ہے کہ اس کی تعمیر وترقی میں ہاتھ بٹائیں تاکہ نونہالان اسلام علم کے زیور سے آراستہ ہوکر ملک وملت کی خدمات انجام دیں۔

آپ کا مخلص

محمد سلیم الزماں نوری

سکریٹری مدرسہ رضویہ گلشنِ ابراھیم، ابراھیم نگر، کمہار، تریانی، ضلع شیوہر

مشمولات

تبرکات

- نعت مقدس — امام عاشقاں حضرت علامہ عبدالرحمن جامی قدس سرہ
- نعت شریف — امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری قدس سرہ

اداریہ

- حضور حجۃ الاسلام اوران کے خطبہ کی عصری معنویت — محمد قمر الزماں مصباحی مظفر پوری

تاثرات

◆ مفتی شمیم القادری، مظفرپور ◆ مفتی نذیر القادری، سون بھدر، یوپی ◆ مفتی سید اولاد رسول قدسی، نیو یارک امریکہ ◆ مفتی محمد علی رضا، مہوا ویشالی ◆ علامہ انیس عالم، سیوانی لکھنؤ ◆ مفتی محمد یحیٰ رضا، سیتامڑھی، بہار ◆ مفتی محمد ارشد رضوی، مظفر پور ◆ ڈاکٹر سراج احمد، بستوی (یوپی) ◆ مفتی محمد سلمان رضا قادری ازہری، فیض آباد (یوپی) ◆ ڈاکٹر عرفان رضا، نئی دہلی ◆ مولانا محمد سلیم الزماں نوری، کمہر ار، شیوہر ◆ مفتی ارشد الرحمن قادری، آگرہ ◆ مفتی محمد عیسیٰ رضوی، قنوج (یوپی) ◆ مفتی محمد ندیم الزماں اجمل مصباحی، شیوہر، بہار ◆ جابر اختر نوری سلطان پوری ◆ علامہ انظار الحسن خاں، سیتامڑھی ◆ محمد اشرف رضا قادری، بریلی شریف

ادبیات

- قصیدہ معراجیہ موسوم بہ ”درتہنیتِ شادیِ اسریٰ“ ایک جائزہ — ڈاکٹر عرفان رضا، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی
- اعلیٰ حضرت کی مشہور نعتیں اوران کے بحور — مولانا تحسین ضیا فیضی مصباحی، مظفر پور

شخصیات

- حضرت امام غزالی حیات وخدمات — محمد سلمان رضا غوثی دہلی یونیورسٹی دہلی
- غریب نواز کا مسلک تصوف اور امام احمد رضا — مولانا محمد شاہد القادری، کلکتہ
- حضور ملک العلماء اور اصلاح معاشرہ — محمد قمر الزماں مصباحی: مدیر اعلیٰ سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت مظفر پور، بہار
- حضور حافظ ملت یادوں کے افق سے — محمد سلیم الزماں نوری، رکن ادارہ لوح وقلم، سعد پورہ، مظفر پور

متفرقات

- لفظ ”حضرت“ معنی ومفہوم اور اس کا نشیب وفراز — مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، گھنٹہ گھر بدایوں
- مسلم معاشرے کی خرابیاں اوران کی اصلاح — غلام جیلانی جامعی، مظفر پور
- شب برأت کے فضائل ومعمولات — محمد آل مصطفی رضوی مرکزی، محمد پور مبارک مظفر پور بہار

تبصرے

- حضرت مولانا قمر الزماں قمرؔ مصباحی کی نعتیہ شاعری — محمد اشرف رضا قادری، مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت
- سہ ماہی رسالہ ”مسلکِ اعلیحضرت“ کا ڈیجیٹل ایڈیشن — مفتی شمشاد حسین رضوی بدایوں
- شفیق رائے پوری کی نعتیہ شاعری کے چند درخشاں پہلو — مولانا محمد اشرف رضا قادری، مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت

منظومات

- سید اولاد رسول قدسی ◆ مفتی شاکر حسین سیفی ممبئی ◆ مولانا اشرف رضا رائے پور ◆ مولانا تحسین ضیاء مصباحی ◆ مفتی شمیم القادری، مظفر پور

تبرکات

نعتِ مقدس

امام عاشقاں حضرت علامہ عبدالرحمن جامی قدس سرہ

زرحمت کن نظر برحال زارم یارسول اللہ
غریبم بے نوائیم خاکسارم یارسول اللہ
زداغ ہجر توکے دل فگارم یارسول اللہ
بہار صدچمن درسینہ دارم یارسول اللہ
توئی تسکین دل آرام جاں صبر وقرار من
رخِ پرنور جان بےقرارم یارسول اللہ
توئی مولائے من آقائے من والیٔ جان من
توئی دانی کہ جز کس نہ دارم یارسول اللہ
دم آخر نمائی جلوہ دیدار جامی را
زلطف توہمیں امیدوارم یارسول اللہ

نعت شریف

امام نعت گویاں امام احمد رضا قادری قدس سرہ

بکارخویش حیرانم اغثنی یارسول اللہ
پریشانم پریشانم اغثنی یارسول اللہ
ندارم جز تو ملجائے ندانم جز تو ماوائے
توئی خود سازوسامانم اغثنی یارسول اللہ
شہا بے کس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
مریضِ دردِ عصیانم اغثنی یارسول اللہ
اگررانی وگرخوانی غلامم انت سلطانی
دگر چیزے نمی دانم اغثنی یارسول اللہ
رضایت سائلِ بے پر توئی سلطان لاتنر
شہا بہرے ازیں خوانم اغثنی یارسول اللہ

حضور حجتہ الاسلام اوران کے خطبہ کی عصری معنویت

محمد قمرالزماں مصباحی مظفر پوری

شیخ الانام حجتہ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا قادری قدس سرہ کی تہہ داراور نابغہ عصر شخصیت جماعت اہلسنت کے لیے کل بھی مینارہ نور تھی اور آج بھی، دین وسنیت کے فروغ میں آپ کا کردار بڑا بے مثالی رہا، آپ نے جس اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ مذہب ومسلک کی خدمت کی ہے وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہے آپ کی علمی،تبلیغی اور تنظیموں کارناموں کی داستان آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت مولانا شاہ امام احمدرضا قادری قدس سرہ نے مسلمانوں کے دین وایمان اورمسلک وعقیدہ کے تحفظ کے لیے تقدیسِ الوہیت اورتحریک عشقِ رسالت کی جومہم چھیڑی اس مہم میں اپنے والدگرامی کے شانہ بشانہ رہے اوروالد ماجد کے وصال کے بعداس تحریک کا اہم حصہ بن گئے اوروالد ماجد سے فضل وکمال،حکمت ودانائی، تفقہ فی الدین، روحانی شوکت وعظمت،سیاسی بصیرت اورملی قیادت وسیادت کا جوہنر ہاتھ آیا اسے مکمل طور پر بروئے کارلاکرقوم مسلم کی رہبری کے فرائض انجام دیے۔

ملکی،صوبائی، ضلعی،سماجی اورسیاسی سطح پر مسلمانوں کے خلاف جتنے طوفان اٹھے ان تمام طوفانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اوراپنی صالح قیادت کے ذریعہ اہل ایمان کے حقوق کی بازیابی،کردار وعمل کی تطہیر، آبرومندانہ زندگی کے حصول اور ایمان وعقیدہ کی درستگی کے لیے نہایت مفید، پائیداراورٹھوس قدم اٹھایا تاریخ داں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ انگریزوں کے دورتسلط سے ہندوستان کی آزادی تک مسلمانوں کوکس قدر اپنی جان کی قیمت چکانی پڑی،ستم کی کتنی سیاہ راتوں کا سامنا کرنا پڑا،قدم قدم پرظلم وبربریت کی آندھیوں سے گزرنا پڑا، مسئلہ جان ومال کی ہلاکت کا ہو یا شدھی تحریک کا، وطن عزیز سے ہجرت کا ہو یا تعلیمی پسماندگی کا ہرطرف بے اطمینانی کی فضائے مہیب،خوف ودہشت کا ماحول، قیامت کا سماں اورایک اضطرابی کیفیت ایسے نازک حالات میں مسلمانانِ ہند کا سانس لینا دوبھر تھا اسی بےبسی کی سنگین گھڑی میں علمائے اہلسنت کی باوقار جماعت لے کراٹھ کھڑے ہوئے شہرمرادآباد میں چارروزہ سنی کانفرنس کے انعقاد کا پروگرام طے ہوا جس میں شہزادہ غوث الثقلین تاجدارِاشرفیت حضرت مولانا سیدشاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی، استاذالکل صدر الشریعہ حضرت مولانا شاہ امجد علی اعظمی، مفسرقرآن صدرالافاضل حضرت مولانا سیدشاہ نعیم الدین مرادآبادی، تاجدارِ اہلسنت مفتیٔ اعظم حضرت مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری بریلوی، برہان الملت والدین حضرت مولانا شاہ محمد برہان الحق جبلپوری اورشیر بیشہ اہلسنت حضرت مولانا شاہ حشمت علی خاں رضوی علیہم الرحمہ نے اپنی شرکت سے کانفرنس کورونق بخشی علمائے کرام کے بیانات ہوئے،قراردادیں پاس ہوئیں اوراسی اجلاس میں حضرت حجتہ الاسلام علیہ الرحمہ نے اپنا کلیدی اورصدارتی خطبہ پیش کیا۔یادرہے یہ کانفرنس 1925 میں منعقد ہوئی تھی جسے تقریباً سوسال ہونے کو ہے مگرآپ کا وہ خطبہ اس قدر جامعیت کا حامل تھا کہ تب سے آج تک اس کی افادیت واہمیت اورعصری معنویت اب بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔

یہ وہ کلیدی خطبہ ہے جوہماری مذہبی شوکتوں کا امین، ہمارے ملی ومعاشرتی تحفظ کا مضبوط لائحہ عمل،ٹوٹتے حوصلوں میں رنگ بھرنے کا خاکہ،آپسی اتحاد کا خوبصورت نعرہ، ہماری اجتماعی قوت کا دستورِاساسی، فکری زبوں حالی سے نکال کرروحانی اورعلمی بلندیوں تک پہنچانے کا پیغام سرمدی،اقتصادی اورمعاشی کمزوریوں سے نجات حاصل کرنے کے ایک نسخہ شفااورعلم ودانش وحسن تدبر سے بھرپورایک دعوت فکر ہے مگراس بڑھ کرقلق کی بات اورکیا ہوسکتی ہے کہ ہم نے اس تاریخ سازکلیدی خطبہ کے نکات آفریں پہلو سے اس قدر پہلوتہی کی کہ جس نقط انجماد پرکل کھڑے تھے اس سے ایک انچ قدم آگے نہیں بڑھا سکے نہ ان تجاویز کو اپنایا نہ انہیں اپنی زندگی میں اتارنے کی کوشش کی اورنہ ہی اس مرکزی نکتے پربیٹھ کرکبھی سوچنے سمجھنے کی زحمت اٹھائی اورہمارا حریف انہیں بنیادی اصولوں پرعمل پیرا ہوکرعلمی، سیاسی،تعمیری، تمدنی، اقتصادی اورسماجی ہرمحاذ پرکامیاب وکامران ہے۔

حضور حجۃ الاسلام نے مسلمانوں کے بقائے باہم، پرامن زندگی، خوشحالی، ترقی اور ایک مہذب کلچر کی تعمیر وتشکیل کے لئے چاروں باتوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کرائی تھی (1) تبلیغ (2) مذہبی تعلیم (3) حفظ امن (4) اصلاح معاشرت۔

یہی وہ چار بنیادی مقاصد ہیں جس کے نفاذ کے لئے حضرت نے یہ وقیع اور معقولیت سے بھرپور خطبہ صدارت رقم فرمایا جو چونسٹھ صفحات پر مشتمل اور اپنے پورے مالہ وماعلیہ کو محیط ہے اس وقت ہماری حالت کیسی تھی اور کس نازک دور سے گزر رہے تھے اسی عظمت رفتہ کی بحالی پر سوچنے کی صحیح سمت عطا کی ہے خطبہ صدارت کے لفظ لفظ سے دل کا درد ظاہر ہے مسلمانوں کی تہذیبی وراثت، سیاسی بصیرت اور اخلاقی قدروں کے زوال پر آپ کا قلم خون اگل رہا ہے اگر خدائے ذوالجلال نے آپ کے پہلو میں کوئی دھڑکتا ہوا دل عطا کیا ہے تو آپ بھی اس اجتماعی کرب کو محسوس کریں اور غم کائنات کو غم ذات جانیں کل کی طرح آج بھی ہم جس قدر بے حسی، بے بسی اور احساس کمتری کی لائن میں کھڑے ہیں اس سے باہر نکل کر اپنی زندگی کو با مقصد، فعال اور پرجوش بنائیں اور ایک باوقار شہری بن کر دین وشریعت کے تحفظ کے لیے اپنے اندر آہنی عزم اور حسینی جذبہ پیدا کریں اس حوالے سے ہمارے اندر اگر تھوڑی سی بھی بیداری آگئی تو ملک کی سیاسی اور فکری دھارے کا رخ موڑ سکتے ہیں حضرت رقم طراز ہیں۔

”دردمندان اسلام کس سوز وگداز میں ہیں اور ان کی راتیں کس بے چینی سے سحر ہوتی ہیں، ان کے دماغ کس پیچ وتاب میں رہتے ہیں، لیل ونہار کی ساعات ان پر کیسے مکدر اور کرب واضطراب میں گزرتے ہیں، حسرتوں کی تصویریں اور امیدوں کے بن بگڑنے والے نقشے ان کے لیے عذاب جاں ہو رہے ہیں میں خود بھی مدتوں سے اس سرگردانی میں ہوں بایں خیال کہ کوئی عالی دماغ دردمند مذہب اس مقصد کے لیے کوئی تدبیر اور مسلمانوں کے فلاح وصلاح کا کوئی مؤثر وکامیاب طریقہ تجویز فرماتے تو وہ ضروران کے حق میں نافع ہوگا میری فکر کیا چیز ہے جو پیش کرنے کے قابل ہو لیکن جب کسی طرف سے صدا نہ اٹھی اور مسلمانوں کے لیے حالات موجودہ کے اعتبار سے کوئی دستور العمل تجویز نہ کیا گیا تو بہ ناچاری میں نے قصد کیا“۔

مندرجہ بالا تحریر کو بار بار پڑھیں اور اس کی روح تک پہنچنے کی کوشش کریں آج سے سو سال قبل جو ہماری پوزیشن تھی کیا آج ہم اس زہرا گداز ماحول سے نہیں گزر رہے ہیں، کیا انہیں مصائب وآلام سے دوچار نہیں ہیں اور کیا انہیں تکالیف کا ہمیں سامنا نہیں ہے ہاں فرق اتنا ضرور ہے کہ کل ہمارے زخم پر مرہم رکھنے والے طبیب حاذق اور مسیح الملک موجود تھے اور آج کلی طور پر حکماء ناپید ہیں دکانیں ضرور بڑی ہوگئی ہیں مگر پکوان پھیکی ہے۔

تبلیغ، مذہبی تعلیم، حفظ امن اور اصلاح معاشرت ان چار بنیادی مقاصد کو حضرت حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ نے قوم مسلم کے دل دماغ میں اتارنے کی کوشش کی ہے لیکن اس کے ضمن میں بچوں کی تعلیم، مدرسۃ التبلیغ، تعلیم نسواں، باہمی تعلقات، اتفاق کا اصل الاصول، مختلف مذاہب اور مدعیٔ اسلام فرقوں کے ساتھ اتحاد، مساجد کی انجمنیں، بیت المال اور اس کے مصارف، سود سے نجات اور اصلاح کی تدابیر جیسے اہم نکات پر عملدرآمد کے لئے نہایت فاضلانہ، محققانہ، ٹھوس، مستحکم اور حکمت و دانائی سے لبریز گفتگو کی ہے کاش کہ ماضی میں ان باتوں پر عمل کر لیا ہوتا تو ہمارا حال اس قدر مایوس کن نہیں ہوتا ہماری زندگی کی راہوں میں ترقی خوشحالی، علمی بلندی اور حسن سیرت کی کہکشاں بچھی ہوتی اور اس سو سال کے عرصے میں ہماری تعلیمی، تہذیبی، تمدنی اور فکری ارتقاء کی داستان بہت ہی روشن وتابناک ہوتی تاہم ماضی کی کوتاہیوں سے صرف نظر کر کے اس خطبہ صدارت کے متعین کردہ خطوط کی روشنی میں ایک درخشاں مستقبل کی تعمیر کے لیے ایک مرکز پر سمٹ جانا چاہئے اور ماضی کی غفلت شعاریوں پر آنسو بہانے کے بجائے حال کا رنگین خاکہ تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

امام احمد رضا کے علم وفضل اور حکمت ودانائی کے سچے وارث وامین شیخ الانام حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ محمد حامد رضا قادری قدس سرہ کے وصال کی تاریخ 17 جمادی الاول ہے اسی مناسبت سے ان کے خطبہ صدارت کو اداریہ کا عنوان بنایا تا کہ سو سال کے بعد خطبہ کی عصری افادیت کے ساتھ نئی نسلوں کو جامع الفضائل کی شخصیت کا عرفان وادراک حاصل ہوجائے اور ان کی بارگاہِ عبقری میں ہم غلاموں کا نذرانہ عقیدت بھی۔

قارئین کے تاثرات

قاضی شریعت مظفرپور حضرت علامہ مفتی شمیم القادری صاحب

پرنسپل مدرسہ دینیہ غوثیہ مظفرپور

گرامی قدر مولانا محمد قمرالزماں مصباحی مدیراعلیٰ سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت مظفرپور

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ڈیجیٹل رسالہ،،مسلک اعلیحضرت،،کی اشاعت پر پہلے مبارکباد قبول کیجے۔
سرورق نہایت دیدہ زیب اوردلکش ہے ہر مضمون عمدہ اورلائق مطالعہ ہے۔خاص طورآپ کا اداریہ ’’نکل کرخانقاہوں سے ادا کررسم شبیری‘‘ اورتجارت کے شرعی قوانین خوب سے خوب تر ہے۔ڈاکٹرمسعوداحمد پاکستان کا مضمون،،امام احمدرضا ایک عاشق رسول،،مولانا مبارک حسین مصباحی کا،،جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند،، اورمولانا توفیق احسن برکاتی کا،، آؤاسلام کا شورائی نظام قائم کریں‘ پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔دوسرے قلمکاروں کے مشمولات بھی معیاری ہیں۔
کاش یہ رسالہ قرطاس وقلم کے حوالے ہوتا توکیابات تھی اس میں کیا مجبوری ہےاسے ہم بھی خوب سمجھتے ہیں تاہم آپ چاہ لیں تومستقبل قریب میں یہ کام بہ آسانی ہوسکتا ہےاورکامیابی آپ کے قدموں کا بوسہ لے گی ویسے ہماری قوم کا حال بہت ہی ناگفتہ بہ ہےوہ جلسے اورجلوس پرلاکھوں روپئے صرف کرنا کارثواب سمجھتی ہے۔رسالے اورجریدے پرخرچ کرنا ضیاع مال تصورکرتی ہے۔
مولائے قدیراسے فہم وادراک عطافرمائے آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

ادیب لبیب مفتی نذیرالقادری صاحب

استاذ دارالعلوم قادریہ نوریہ بگھاڑو،سون بھدر، یوپی

نازش علم وادب حضرت مولانا محمد قمرالزماں مصباحی صاحب زیدہ مجدہ مدیراعلیٰ سہ ماہی ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘

ہدیہ تسلیمات!

آپ کی عمدہ قیادت اورادارہ لوح وقلم مظفرپور کے زیراہتمام شائع ہونے والا یہ پہلاشمارہ اپنی تمام ترانفرادیت کے ساتھ قلب ونگاہ کی زینت بنا رسالہ کا سرورق ہی اس کے اسم بامسمی ہونے کا غماز ہے اس رسالہ کے ذریعہ بہار کی مذہبی صحافت کے جمود کی طرف بڑھتے ہوئے قدم کو یکایک نمو کی طرف پھیرنے کے لئے آپ کے عزم وحوصلہ کی جس قدرداد دی جائے کم ہے
رسالہ کے تمام ترمشمولات جہاں قابلِ مطالعہ ہیں وہیں آپ کا اداریہ’نکل کرخانقاہوں سے ادا کررسمِ شبیری‘‘آپ کی صحافتی صلاحیتوں کا گوہر نایاب اور جرات وبے باکی کا زبردست نمونہ ہےجس کی دوسری تعبیر یہ ہے

حرم کی پاسبانی صرف سجدوں سے نہیں ہوتی
کہ خاک زمین کربلا کچھ اور کہتی ہے

سرزمین مظفرپورسے سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت جاری فرماکرآپ نے ایک بارپھر یہ ثابت کردیا کہ فکررضا کے فروغ میں صوبہ بہار کا کردار کل بھی اہم تھا اور آج بھی کم نہیں ہے اللہ تعالیٰ آپ کے اورآپ کے جملہ احباب ادارہ کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے آمین۔

مفتی اعظم امریکہ حضرت علامہ مفتی سیداولادرسول قدسی

نیویارک امریکہ

صحافیٔ شہیر،ادیب منیر حضرت مولانا محمد قمرالزماں مصباحی قمرمدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عوافی طرفین مطلوب!

آپ کی ادارت میں مظفرپورسے شائع ہونے والا رسالہ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘کے اداریہ اوراس میں شامل مقالات پرایک طائرانہ نظرڈالنے کے بعد بالجملہ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ رسالہ بلاشبہ حالات حاضرہ کا نباض اورقصراعتقادوایمان کا نورہے۔
اس میں مندرج تمام مقالے سیدنا اعلیٰ حضرت کے گوناگوں محیرالعقول اوصاف وکارہائے نمایاں پردستاویزی حیثیت رکھتے ہیں اورمسلک اعلیٰ حضرت کے صحیح مفہوم کواجاگرکرنے میں کلیدی رول اداکرتے ہیں بالخصوص صحافیٔ شہیر نے قوم کی زبوں حالی پرتبصرہ کرتے ہوئے اپنے گراں قدراداریہ میں جس کرب کا اظہار کیا ہے وہ سربراہان وسرخیلان قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کہ دورحاضر میں دین ومسلک پرچاروں طرف سے حملہ ہورہاہے اس کے دفاع کے لئے ناگزیر ہے کہ علماء کرام، پیران عظام اورسجادگان ذوی الاحترام جواں مردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان میں آئیں اوراپنا دینی وایمانی فریضہ انجام دیں اگرمزید تاخیرکی گئی تو پھرنتیجہ پرخطرموڑسے متصادم ہوسکتا ہے۔
میں صمیم قلب سے رسالہ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘کی اشاعت پرہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اورامید کرتا ہوں کہ اس رسالے کی اشاعت کا سلسلہ جاری وساری رہے گا۔(ان شاءاللہ عزوجل)

حضرت علامہ مفتی محمدعلی رضا صاحب

قاضی شریعت وبانی جامعہ عائشہ مہوا ویشالی

جامع الفواضل حضرت مولانا محمد قمرالزماں صاحب مصباحی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

آپ کا مرسلہ ڈیجیٹل رسالہ ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ باصرہ نواز ہوا تمام تر مضامین بڑے اچھے ہیں۔سعادت لوح وقلم کا کہنا ہی کیا؟ ڈاکٹرامجدرضا امجد کی تحریری پختگی کا زمانہ معترف ہے ان کی دلربا تحریروں کے تعلق سے کچھ کہنا تو

’’جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود‘‘ کے مترادف ہوگا اور آپ کا مضمون تو رضویاتی فکر کے نئے دروازے کھولتا ہے خاص طور سے آپ کا اداریہ تو نہایت فکرانگیز ہے حالات کا تجزیہ کرکے آپ نے ثابت کردیا کہ وقت اب مجاہد کی اذان سننا چاہتا ہے ’’مجاہد کی اذاں اور ہے ملا کی اذاں اور‘‘

سچ پوچھئے تو آج آپ کے رسالے نے بہت متاثر کیا ہے شاید آپ کو یاد ہو کہ دہلی کے ایک بھٹکے ہوئے آہو نے اسلاف شناسی کی آڑ میں رضا شناسی پر قدغن لگانے کی بے جا کوشش کی تھی مگر سمندر کی لہروں پر جب ان کا کوئی بس نہیں چلا تو ملک چھوڑنے میں اپنی عافیت سمجھی اب تو ان کا اتا پتا بھی نہیں چلتا رضویات ایک سمندر ہے جس سے اڈھائی سو سے زائد علوم و معارف کے دریا نکلتے ہیں اور ہر دریا اپنے اندر سمندر جیسی وسعت رکھتا ہے اب تک جتنے موتی اس سے نکالے جا چکے ہیں اس سے کہیں زیادہ موتیاں اس کی تہہ میں پوشیدہ ہیں جو اپنے قدر شناسوں کے منتظر ہیں۔

رضویاتی صحافت کے آپ ایک تجربہ کار قلم کار ہیں آف لائن آپ کی رضویاتی ادب سے دنیا بخوبی واقف ہے اس کتاب عشق کے کتنے بند باب آپ نے کھولے ہیں اب جبکہ دنیا ڈیجیٹل ہوتی جارہی ہے زندگی کا ہر کام آن لائن ہوتا جارہا ہے تو ضرورت تھی کہ رضویاتی کرنیں بھی اسکرین پر ابھر کر دل و نگاہ کو منور کریں قدیم صالح اور جدید نافع کی جو لوگ قدر نہیں کرتے اور زمانی تقاضوں کو نہیں سمجھتے وہ زندگی کے دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔

آن لائن مطالعے کا چلن بڑھتا جارہا ہے ایسے وقت میں آپ کا فیصلہ بروقت درست فیصلہ ہے آف لائن تحریروں کی اہمیت اگرچہ ابھی کم نہیں ہوئی مگر سہولت پسندی کے اس دور میں آن لائن تحریروں کی اہمیت بھی بہت بڑھ گئی ہے حاضر سے پیاس بجھ جاتی ہے تو غائب کی تلاش میں کون سر کھپائے۔

فاضل بغداد گرامیٔ قدر وقار خلیفہ حضور تاج الشریعہ

حضرت علامہ انیس عالم صاحب قبلہ سیوانی لکھنؤ

ادیب شہیر حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مصباحی مدظلہ العالی

ہدیہ سلام و محبت

اللہ تعالی آپ کو اور ادارہ لوح و قلم کی پوری ٹیم کو سلامت رکھے اور مسلک اعلی حضرت کی صحیح ترجمانی کی توفیق ارزانی مرحمت فرمائے آمین سہ ماہی ’’مسلک اعلی حضرت‘‘ ڈیجیٹل ایڈیشن دیکھ کر اچھا لگا، آپ سے کئی رشتے ناطے ہیں اس لیے آپ سے دلی محبت بھی ہے اور احترام کی نظروں سے دیکھتا ہوں، تمام رشتوں میں اہم و اعظم رشتہ یہ ہے کہ ہم بریلی کے غلاموں میں ہیں اور ایک ہی میخانے سے سیراب ہوتے ہیں، ہماری پہچان، ہماری عزت، ہمارا وقار، ہماری شناخت سب کچھ بریلی ہے۔

بریلی کو ہم اعلی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وجہ سے اور ان کے سچے جانشینان حضور سیدنا حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں قادری، سرکار مفتی اعظم علامہ مفتی مصطفی رضا خاں قادری، مفسر اعظم علامہ ابراہیم رضا خاں قادری، حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی محمد اختر رضا خاں قادری علیہم الرحمۃ اور موجودہ وقت میں مذکورہ بزرگوں کی عظمتوں کی نشانی قائد ملت علامہ مفتی محمد عسجد رضا خاں قادری قاضی القضاۃ فی الہند کی وجہ سے جانتے اور مانتے ہیں اللہ تعالی ہماری عقیدت اور عقیدہ دونوں کو ہر نقص اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھے آمین۔

بہت مسرت ہوئی یہ دیکھ کر کہ جس دور میں اپنی جماعت کے بعض اہل علم اور ان کے حواری لفظ ’’مسلک اعلی حضرت‘‘ سے جی چرا رہے ہیں، بعضوں کے خیال میں ان کے اپنے مسلک کی توسیع اس نعرہ کے سبب نہیں ہو پا رہی ہے اور آپ نے اسی نام سے سہ ماہی جاری فرمادیا، ظاہر ہے آپ کا یہ اقدام بہتوں کے قلوب کو تسکین بخشے گا وہیں بہتوں کے سینے چھلنی ہوں گے۔

اللہ آپ کو حاسدین رضا اور مخالفین بریلی کی بدنگاہی سے بچائے آمین اداریہ پڑھا، بہت خوشی ہوئی، حالات جو گذر رہے ہیں اسے پڑھ کر غم بھی ہوتا ہے، جو باتیں آپ نے لکھی ہیں یقینا مسلمان انہیں کیفیتوں اور حالات سے دوچار ہے۔

درد بے حد و حساب مگر علاج نظر نہیں آتا، کچھ باتیں ذہن میں آتی ہیں مگر بلی کی گردن میں گھنٹی کون باندھے، ہم میں کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر ان مشکلات سے دوچار بھی ہے اور ان کا ذمہ دار بھی، ہمارے یہاں گلہ شکوہ، مضمون نگاری، شعر و شاعری اور طول طویل تقریروں کی کمی نہیں، کمی یہ ہے کہ کام کرنے والے کہاں سے لائے جائیں، کام کون کرے، کام کے نام پر فوٹو کھینچا کر سوشل میڈیا پر نشر کا کام اعلی پیمانہ پر چل رہا ہے، ہر چھٹ بھیا قائد اعظم اور قاۃ دالمسلمین بننے کو تڑپ رہا ہے۔

میٹنگوں کی خبریں پڑھیے لیکن میٹنگ کہاں ہوتی ہے اس کا کوئی اتا پتہ نہیں، کوئی کسی کو بڑا ماننے کو تیار نہیں، اصول، بنیاد، ضروری اہم ضروری اور غیر ضروری باتوں میں فرق نہیں، جو شریعت میں غیر مؤکد ہے وہ ہمارے معمولات میں درجوں مؤکد ہے، بہر حال آدمی جو کچھ کر سکتا ہے اسے کرنا چاہیے، اللہ عزوجل آپ کے اس اقدام میں خلوص کی برکتیں عطا فرمائے اور تا حیات حق پر ثابت قدمی نصیب کرے آمین

شہزادہ حضور فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی محمد یحی رضا صاحب قبلہ

جامعہ ضیائیہ فیض الرضا، ددری، سیتا مڑھی، بہار

گرامیٔ قدر وقار خلیفہ حضور تاج الشریعہ

حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب قبلہ مصباحی

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

ماشاءاللہ! فکر رضا کا بے باک نقیب، دینی، مذہبی، دعوتی اور علمی رسالہ سہ ماہی ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ کا ڈیجیٹل ایڈیشن آن لائن باصرہ نواز ہوا الحمدللہ! معیاری رسائل میں ایک عمدہ ادبی، دینی رسالے کا اضافہ ہوا۔ جس وقت مجھے یہ رسالہ موصول ہوا میں سفر میں تھا آپ کا اداریہ ’’نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری‘‘ اور ’’جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند‘‘ اور ’’آؤ اسلام کا شورائی نظام قائم کریں‘‘ وغیرہ کئی مضامین اسی سفر میں پڑھ ڈالا۔ زبان و بیان

ماشاءاللہ بہت شستہ اور عمدہ ہے یقینا سہ ماہی "مسلک اعلی حضرت" کا اجراء نہایت ہی خوش آئند اقدام ہے امید ہے کہ اس رسالہ سے مزید خدمات ہوں گی آپ کا اداریہ بہت پسند آیا سارے مضامین لائق مطالعہ ہیں۔
والد ماجد علیہ الرحمۃ کے وصال پر آپ نے تعزیتی تحریر شائع کی نیز والد گرامی کی تحریر کردہ منقبت اعلی حضرت بھی شائع فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے آپ کو اور آپ کے رفقاء کو اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ دعاؤں کی گذارش ہے۔ فقط والسلام

جانشین حضور شیر بہار عمدۃ العلماء حضرت علامہ مفتی محمد ارشد رضوی

مہتمم جامعہ قادریہ مقصود پور مظفر پور

محب گرامی حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی صاحب قبلہ
مدیر اعلیٰ مسلک اعلیٰ حضرت مظفر پور   سلام ورحمت!

آپ کی ادارت میں نکلنے والا یہ رسالہ نہایت معیاری، معلوماتی اور مذہبی صحافت کا باوقار رسالہ ہے حضور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کی شخصیت پر اہم گوشہ قابل مطالعہ ہے بالخصوص آپ کا اداریہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے آپ نے اس میں اپنی فکروں کا لہو نچوڑ کر رکھ دیا ہے عالمی سطح پر مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی فقدان پر آپ کے قلم نے خوابیدہ جذبات کو بیدار کرنے کی بڑی اہم مہم چھیڑی ہے خدا کرے کہ آپ کی یہ صدا فضائے یاس میں آس کی کوئی خوشبو بکھیر سکے آج اسلام دشمن عناصر پورے ملک میں ظلم وبربریت کا ناپاک کھیل کھیل رہے ہیں ایسے نازک اور شر وفساد کے دور میں سیاسی اور مذہبی ہر اعتبار سے صالح اور مستحکم قیادت کی کچھ زیادہ ہی ضرورت ہے کاش کہ حضور مجاہد ملت، مجاہد دوراں سید مظفر حسین کچھوچھوی اور رئیس القلم علامہ ارشد القادری قدست اسرارہم باحیات ہوتے تو ہماری مذہبی قیادت کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا خدا ہم میں کوئی طارق وایوبی بھیج دے آمین بجاہ سید المرسلین والہ واصحابہ اجمعین۔

جناب ڈاکٹر سراج احمد صاحب بستوی

مدیر مجلہ "دبستان نعت" نعت ریسرچ سینٹر، انڈیا، خلیل آباد، یوپی

محترم جناب مولانا محمد قمر الزماں مصباحی صاحب
مدیر اعلیٰ سہ ماہی "مسلک اعلیٰ حضرت" مظفر پور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رسالہ ایک سرسری نظر سے دیکھا نہایت ہی دیدہ زیب ہے مگر کسی رسالے کی اشاعت سے قبل ہی اس کے لائحہ عمل کا تعین ہونا چاہیے جس کی کمی کا احساس ہوا مگر ابتدائی مرحلے میں بہت ساری خامیاں داخل ہوجاتی ہیں اگر آپ رسالے کے حوالے سے حساس رہے تو سب کچھ بہتر ہوجائے گا۔
میرا مضمون کوئی اہمیت کا حامل نہیں یہ میرے تحقیقی مقالہ "مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری" سے ماخوذ ہے جسے "معارفِ رضا" کراچی نے مضمون کی شکل دے کر شائع کردیا تھا۔ جس وقت میں نے اپنے تحقیقی مقالے میں اس کو موضوع بنایا تھا اس کا واحد مقصد اس موضوع پر بعد کے لوگ کام کر کے حضور سیدی اعلیٰ حضرت کے علوم وفنون سے واقفیت کو نئی دنیا کے لوگوں کو محو حیرت کریں گے مگر افسوس صد افسوس کہ اس سلسلے میں کوئی پیش رفت نہ ہو سکی آج سے تیس سال قبل ہم جہاں کھڑے تھے وہیں پر اپنے آپ کو کھڑا ہوا محسوس کر رہے ہیں، لیکن ہم اب بھی اپنے افراد سے ناامید نہیں ہیں۔
مجھے امید ہے کہ آنے والا شمارہ نئی آب وتاب سے جلوہ فرما ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اگر کوئی جملہ بار خاطر گزرے تو معذرت چاہتا ہوں۔

حضرت مفتی محمد سلمان رضا صاحب قادری ازہری

جامعہ اسلامیہ روناہی فیض آباد یوپی

محب مکرم ادیب لبیب حضرت مولانا
غلام جیلانی جامعی صاحب   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے گراں قدر تحفہ سہ ماہی "مسلک اعلی حضرت" مظفر پور ارسال فرمایا، اس پر میں آپ کا اور آپ کی پوری ٹیم کا بے حد شکر گزار ہوں۔ اور ضمیم قلب سے اس قابل فخر اور لائق صد رشک کاوش پر آپ سب کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔
اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آج کے دور میں بازاری خطبا اور غیر معیاری وکاروباری شعرا کی جو قدر ومنزلت کی جاتی ہے، ان کے ناز ونخرے برداشت کیے جاتے ہیں، اور ان کی حوصلہ افزائی میں جس فراخ دلی، وسعت قلبی اور کشادہ دستی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اس کا عشر عشیر بھی صاحبان قرطاس وقلم کی تشجیع کے لیے نہیں صرف کیا جاتا ہے۔ اور یہ نہ صرف عوام کالانعام کا حال ہے بلکہ بعض پڑھے لکھے لوگوں کا بھی یہی حیرت ناک رویہ ہے۔ ایسی بے ذوق فضا، اور ایسے بدنظم ماحول میں بھی آپ لوگوں نے کمر ہمت کس لیا ہے، اور دنیوی داد ودہش سے بے نیاز ہوکر قوم مسلم کی صحیح رہنمائی کے لیے جو جگر کاوی، دماغ سوزی، جاں فشانی، جہد مسلسل اور سعی پیہم کر رہے ہیں وہ نہ صرف قابل رشک ہے بلکہ لائق تقلید بھی ہے۔
ہم دعا کرتے ہیں کہ رب قدیر اپنے محبوب کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صدقہ وطفیل آپ سبھی حضرات کے حوصلوں کو ثریا کا عروج عطا فرمائے، آپ کی مخلصانہ کدوکاوش کو شرف قبولیت سے نوازے، اور اس مجلہ کو گم گشتگان راہ کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے اور آپ سب کو دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ وعلیہم افضل الصلاۃ وازکی التسلیم

ڈاکٹر عرفان رضا جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

محب محترم مولانا غلام جیلانی جامعی صاحب قبلہ
نائب مدیر سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت مظفر پور
السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

یہ جان کر بیحد خوشی ہوئی کہ "ادارہ لوح وقلم سعد پورہ مظفر پور" کی جانب سے مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے مسلک سے موسوم بین الاقوامی سہ ماہی رسالہ "مسلک اعلی حضرت" کا پہلا

شمارہ اکتوبر تا دسمبر 2021 معیاری مشمولات اور نہایت خوبصورت سرورق سے مزین مذہبی صحافت میں اپنی ایک منفرد پہچان لئے ہوئے ڈیجیٹل طریقے سے مطالعہ کی میز پر جلوہ گر ہوا پڑھنے کے بعد بڑی خوشی ہوئی ”ادرہ لوح وقلم“ کے جملہ اراکین و منتظمین خصوصاً مدیر اعلیٰ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب مصباحی یقیناً لائق مبارکباد ہیں، یہ شمارہ آپ حضرات نے جس محنت، سلیقہ، لگن اور ذوق و عرق ریزی سے مرتب کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ سہ ماہی رسالہ ”مسلک اعلی حضرت“ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی سرپرستی قائد ملت شہزادہ حضور تاج الشریعہ حضرت علاّمہ و مولانا مفتی محمد عسجد رضا خان قادری صاحب اور صدارت داماد حضور تاج الشریعہ حضرت علاّمہ و مولانا مفتی سلمان رضا صاحب قادری بریلوی فرمارہے ہیں۔ تو دوسری طرف مجلس مشاورت و مجلس ادارت کے تحت عصرِ حاضر کے جید، معتبر اور جماعت اہل سنت کے مستند علماء کرام ہیں، نیز اردو ادب سے وابستہ ماہر لسانیات و ادبیات کے اسمائے گرامی ہیں۔ امام احمد رضا قادری فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان سے متعلق ایسے مضامین یا گوشے یا ایسے چہرے جس کی تابنا کی کی اشد ضرورت ہے! بین الاقوامی سہ ماہی رسالہ ”مسلک اعلی حضرت“ کے ذریعے انہیں پھر سے جِلا بخشی جا رہی ہے۔آپ کی یہ اولین کوشش دینی، مذہبی دعوتی، اور علمی رسالہ کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جائے گی۔ مدیر اعلیٰ محترم نے بہت عمدگی اور نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ جامع اور بسیط اداریہ تحریر فرمایا ہے جس میں مذہب اسلام سے وابستہ تنظیمیں اور مسلم قوم کی زبوں حالی، نیز عروج و زوال اور نشیب و فراز، کو تاریخی شواہد کی روشنی میں احوال بیان کرتے ہوئے اس کا تدارک بھی پیش کیا ہے، نیز آج کے اس فکری اور نظری دور میں جہاں ایمان و عقیدہ بچانا ایک مشکل امر بنتا جا رہا ہے وہیں آپ نے عقیدہ و عقیدت کے تحفظ کے لیے سہ ماہی رسالہ ”مسلک اعلی حضرت“ کی اشاعت کا بیڑا اٹھا کر ایک مجاہدانہ صحافتی کردار ادا کیا ہے۔ رسالہ گونا گوں خوبیوں کا حامل ہے تمام مضامین صوری و معنوی حسن سے مزیّن ہیں ۔مضامین کا انتخاب قابلِ ستائش ہے۔ جملہ مضامین میں فکری متانت، ادبی لطافت اور طرز تحریر میں شگفتگی پائی جاتی ہے۔ سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آئینہ رضویات و منظومات وغیرہ سب کے سب حسنِ ترتیب اور حسنِ انتخاب دونوں ہی اعتبار سے عمدہ ہیں۔ مدیر محترم اور معاونین مدیر کا آج کے اس پر آشوب دور میں خالص اردو ادب میں مذہبی پرچہ نکالنا کسی جہاد سے کم نہیں ہے۔ ایسے میں آپ لوگوں نے ”سہ ماہی رسالہ ”مسلک اعلی حضرت“ نکال کر صرف اہلِ سنت والجماعت پر ہی نہیں بلکہ ساری اقوام و ملل پر بڑا کرم کیا ہے۔ آپ اور آپ کے رفقائے کار تحسین کے مستحق ہیں۔ اور میں آپ سب کو دل کی اتاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ مجھے پورا یقین کامل ہے کہ اس رسالہ کی مذہبی، علمی اور ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی اور بہت جلد مذہبی صحافت میں اہم مقام حاصل کرے گا۔ فقط والسلام

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

حضرت مولانا محمد سلیم الزماں نوری

سکریٹری مدرسہ رضویہ گلشنِ ابراہیم، کمھر ار، شیوہر
حضرت مولانا مفتی آل مصطفی مرکزی صاحب قبلہ

سلام ورحمت

سہ ماہی مسلک اعلی حضرت کا پہلا شمارہ اپنے دامن میں علمی، فکری اور فنی نکہتیں لے کر مشام جاں کو معطر کرتا ہوا نظر نواز ہوا اس کے تمام مشمولات و مضامین معلوماتی اور قابل مطالعہ ہیں یقینا آج کے اس مشینی دور میں کسی ڈیجیٹل شمارے کا نکالنا یہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے جہاں ہر کس و ناکس نیٹورکنگ کی دنیا میں مصروف ہے بلا شک و شبہ یہ دکھتی ہوئی رگ پر مرہم شفا رکھنے کے مصداق ہے اور اس کا سہرا اچھی فکر، پاکیزہ خیال رکھنے والے مستقبل بیں و مستقبل شناس، خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا مفتی محمد قمر الزماں مصباحی دام ظلہ کے سر جاتا ہے جنھوں نے اپنے قیمتی اوقات سے کچھ وقت نکال کر اس رسالے کو شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا خالق ارض و سماان کی اس ادبی، دینی اور مذہبی کاوش کو قبول فرما کر مقبول خاص و عام فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین

فاتح آگرہ نبیرہ سرکار مجی حضرت علامہ مفتی ارشد الرحمن صاحب قادری

گرامئ قدر و منزلت ادیب باوقار!
حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب قبلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا رسالہ ”سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت“ نظر نواز ہوا مطالعہ کے بعد بے حد خوشی ہوئی کہ علم کی بہاریں لٹانے والا مسلک اعلیٰ حضرت کا یہ بیباک ترجمان بہار سے باہر نکل کر اصلاح اعمال و عقائد کے جلوے بکھیر رہا ہے۔ ورق پلٹنے پر مسرت و فرحت میں مزید اضافہ ہوا کہ وقت کے ادیب کے نوک قلم سے نکلا ہوا شاہکار اداریہ پورے طمطراق کے ساتھ قارئین کو دعوت مطالعہ دے رہا ہے حالات حاضرہ کے خزاں رسیدہ گلشن کی سیر کرتا ہوا کفِ افسوس ملتا رہا واقعی آپ نے اداریہ میں اپنا خون جگر نچوڑ کر رکھ دیا ہے اور اس انقلاب آفریں فکری تحریر کے ذریعہ ملی و مذہبی قیادت کے فقدان پر جس اٹھنے والے طوفان کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ خوابِ غفلت میں مست قوم کو جگانے اور منزل سے دوری کا احساس دلانے کے لیے کافی ہے۔ تاریخ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے جو آئینہ دکھایا ہے وہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور جس کا مطالعہ قوم مسلم کو اپنے درخشاں ماضی سے جوڑنے اور عظمت رفتہ کو پانے کے لیے ناگزیر ہے اداریہ کی سطر سطر سے ملت و مذہب کا درد و کرب ٹپک رہا ہے اور پڑھتے پڑھتے یوں محسوس ہوا کہ قوم کی زبوں حالی کو دیکھ کر آپ کا دل غم و الم سے کافی چور ہے کہاں ہیں خانقاہوں کے سجادگان اور ملک کے قائدین آگے بڑھیں اور قوم کے درد کو اپنا درد محسوس کریں۔ سرزمین مظفر پور اس وقت آپ جیسی علم و عمل کی حامل شخصیت کو پا کر یقیناً ناز کرتی ہوگی کہ جس نے بد عملی کے اس خار دار صحرا میں حسن عمل کے گلہائے رنگارنگ پیش کر کے قوم کو اپنی آخرت

کومعطر کرنے کا قیمتی موقع فراہم کیا ہے کاش کہ یہ معلوماتی رسالہ کتابی شکل میں شائع ہوکر سب کے ہاتھوں میں ہوتا تو اس کی افادیت اوردو چند ہوجاتی کیونکہ لاکھ ترقی کے باوجود کتابی شکل کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے اور رہے گی۔
یہ خاص عطیہ ربانی ہے کہ تحریر ہو یا تقریر، نظم ہو یا نثر ہرفن میں آپ کو یکساں قدرت و مہارت حاصل ہے جس کا اعتراف دنیائے ادب کی وہ شخصیتیں کررہی ہیں جن پر علم وادب کو بھی ناز ہے۔
اس معیاری، معلوماتی اور مذہبی رسالے کی اشاعت پر ایک بار پھر دلی مبارکبادی قبول فرمائیں آپ کے جملہ شرکائے سفر کو میری طرف سلام محبت پیش ہے میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اہلبیت اطہار کے صدقے آپ لوگوں کی راہوں میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور فرما کر کامیابی کی منزلیں عطا فرمائے
آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علامہ مفتی محمد عیسیٰ صاحب قبلہ رضوی

شیخ الحدیث جامعہ رضویہ قنوج یوپی

ادیب شہیر حضرت مولانا محمد قمر الزماں مصباحی
چیف ایڈیٹر ”مسلک اعلیٰ حضرت“

سلام ورحمت!

ہندوستان کے افق صحافت سے بہت سارے دینی و مذہبی رسائل وجرائد طلوع ہوتے ہیں ان میں کوئی ماہنامہ کوئی سالنامہ اور کوئی سہ ماہی اور ششماہی ہے اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں کہ ان کے وجود وبقا کی کوئی ضمانت نہیں اور نہ ہی ان کا مستقبل روشن وتابناک ہے اس کے باوجود کچھ مجاہد صفت اہل قلم ان ناگفتہ بہ حالات میں بھی رسائل وجرائد کے اجراء پر کمربستہ ہیں خدا کرے ان کی یہ صحافتی جاں فشانی کامیاب وبامراد ہو اور وہ کوئی تاریخی کردار ادا کرسکیں اہل سنت کے اکثر رسالے منزل کی آخری سیڑھی تک نہیں پہونچ پاتے کیونکہ ان کے پاس سرمایہ کی قلت ہے اور کسی بھی رسالہ کو اوج ثریا تک پہونچا کے لئے مالیاتی فنڈ کی اشد ضرورت ہوتی ہے کوئی بھی رسالہ اس کے بغیر اپنے سفر کی قلیل سے قلیل مسافت بھی نہیں طے نہیں کرسکتا مجھے یہ جان کر حددرجہ مسرت وشادمانی ہورہی ہے کہ رسائلِ اہل سنت کی صف میں ایک سہ ماہی رسالہ ”مسلک اعلیٰ حضرت“ کا اور اضافہ ہوا اس کے نام سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ عمر طویل پا گیا تو اس سے مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ واستحکام کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوگا پھر یہ کہ سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت جس صاحب علم کی ادارت وصدارت میں جاری ہوا ہے وہ ایک کہنہ مشق قلم کار اور صاحبِ نظر مدیر ہیں ان کی نظر وسیع اور فکر کامل ہے وہیں ان کے قلم کا معیار بھی بلند ہے ان کے فکر وخیال میں شاعری کا حسن وبانکپن بھی ہے اور ان کی تحریر وتقریر میں متانت وسنجیدگی بھی اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ یہ رسالہ عمر خضر پائے گا اور اس کی دھمک سے قصر باطل میں زلزلہ برپا ہوگا کیونکہ نام سے کام ہوتا ہے اور کام کا نام ہوتا ہے مذہب بیزاری کے اس پرفتن دور میں اگر کوئی چراغِ ماضی سے قوم کے مستقبل کو روشن کرنے کی کوشش کرے تو یہ بہت بڑی بات ہے کیوں کہ عہد حاضر کے اکثر لوگوں کا خیال یہ ہے کہا اگر ہم نہیں کر رہے ہیں تو کیا ہوا کرنے والے تو بہت ہیں کوئی بھی کرلے گا اس لیے کسی ایسے کام میں پہل کرنا جس کا انجام معلوم نہیں ہے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ رسالہ کے مدیر اعلیٰ محب گرامی مفتی محمد قمر الزماں مصباحی مظفرپوری کے اس قلم کو سلامت رکھے جس کے ذریعہ عشق رضا کا اجالا تقسیم کررہے ہیں۔

مفتی محمد ندیم الزماں صاحب اجمل مصباحی

استاذ ہائر سیکنڈری اسکول پیپرا رہی، شیوہر، بہار

مدیر اعلیٰ سہ ماہی ”مسلک اعلیٰ حضرت“ مظفرپور
تسلیمات فراواں

ڈیجیٹل سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت باصرہ نواز ہوا- پہلی ہی نگاہ میں یہ محسوس ہوا کہ یہ رسالہ ایک عظیم علمی وادبی سرگرمیوں اور جماعتی تقاضوں کو پورا کرتا نظر آرہا ہے اور افکار رضا کی نشر واشاعت میں اس رسالہ کا ایک اہم کردار ہوگا۔ سبھی اصحاب قلم نے اپنی تحریر کے وہ حسین گلاب کھلائے ہیں کہ پڑھنے کے بعد مشام جاں اب تک معطر ہے بالخصوص نازش فکر وقلم خلیفہ حضور تاج الشریعہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب قبلہ مصباحی کا اداریہ آج کے عالمی تناظر میں علمی، فکری اور عملی بیداری کی سمت ایک پاکیزہ اور صالح کوشش ہے خدا کرے کہ ان کی یہ کاوش مسلم معاشرے میں کوئی نئی روح پھونک سکے۔ ماشاءاللہ سبھی قلمکاروں کے مضامین رسالہ کے حسن میں چار چاند لگا رہے ہیں ہر مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے دوسرے رسالہ کا بےصبری سے انتظار ہے امید کرتا ہوں کہ وقت پر وہ رسالہ بھی اپنی علمی خوشبو سے مطالعہ کی میز کو معطر کرے گا۔

شاعر اسلام حضرت جابر اختر نوری سلطان پوری

نازش فکر وقلم محب محترم مولانا
محمد قمر الزماں مصباحی صاحب قبلہ مدیر اعلیٰ سہ ماہی ”مسلک اعلیٰ حضرت“
سلام ورحمت!

اکتوبر، نومبر اور دسمبر کا شمارہ نظر نواز ہوا پڑھ کر بے پایاں مسرت ہوئی سارے مضامین پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں عالمی سطح پر مسلمانوں کی علمی اور معاشرتی پسماندگی پر آپ کے قلم نے جو خون کے آنسو بہائیں ہیں کم از کم ملکی سطح پر ہی سہی مرکزی شخصیات اس درد کو اپنا درد محسوس کریں اور اس زخم پر مرہم رکھنے کی کوئی معقول تدبیر کریں۔ اللہ پاک ہمارے سربراہوں کو کسی طوفان سے آشنا کردے پورا رسالہ قابلِ مطالعہ ہے اور ہونا ہی چاہیے کہ دنیائے صحافت سے آپ کا رشتہ تین دہائیوں پر مشتمل ہے رسالہ کی جامعیت اور مضامین کا انتخاب آپ کی قلمی اور لسانی عظمتوں کا بھرپور غماز ہے پروفیسر مسعود احمد پاکستان کا مضمون ”امام احمد رضا ایک عاشق رسول“ بہت عمدہ ہے۔ مولانا عبدالرزاق پیکر کا مضمون ”حضرت مخدوم جہاں اور امام احمد رضا قادری“ نہایت پرمغز، معیاری اور جامعیت لئے ہوئے ہے اور آج کے فارغین علماء کے لئے معلومات کے نئے نئے گوشے فراہم کرتا ہے۔ ڈاکٹر امجد رضا امجد کا

مضمون” مدرسہ حنفیہ پٹنہ اور امام احمد رضا“ بھی اپنے دامن میں جدت کی رعنائیاں لئے ہوئے ہے اور اس کی افادیت آج بھی مسلم ہے۔

آج کی نئی نسل اس بات سے واقف نہیں ہے کہ آج سے سو سال قبل شمالی بہار بالخصوص عظیم آبادی کی دھرتی پر مسلک رضا کے فروغ میں حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی علیہ الرحمہ کا کیا کردار رہا ہے اور افکار رضا کی تشہیر میں انہوں نے کیا کیا قربانیاں دی ہیں اس رخ سے ڈاکٹر صاحب کا یہ مقالہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے اس طرح کے مقالے کی آج کے تناظر میں زیادہ ہی ضرورت ہے جہاں بہار کی خانقاہ خصوصیت کے ساتھ عظیم آباد کی خانقاہوں کا رشتہ بریلی شریف سے کمزور ہو رہا ہے اور کچھ لوگ دانستہ طور پر اسے کمزور کرنے میں لگے ہیں اس طرح کے مقالے رشتوں کے استحکام میں کلیدی رول ادا کریں گے اور مخالفین کی ریشہ دوانیاں ناکام ہوکر رہ جائیں گی اخیر میں ایک بار پھر اس صوری اور معنوی خوبیوں سے مزین رسالہ کی اشاعت پر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں خدا کرے کہ یہ شمارہ افق صحافت پر نیر تاباں بنکر طلوع ہوتا رہے اور فکر رضا کی نکہتوں سے دیار وامصار کا ہر خطہ معطر رہے آمین ثم آمین

مصلح قوم وملت حضرت علامہ انظار الحسن خاں صاحب

بانی وناظم اعلیٰ الجامعۃ الغوثیہ، بلوارونی سید پور، سیتامڑھی

محب گرامی وقار!

ادیب شہیر حضرت مولانا مفتی محمد قمر الزماں صاحب قبلہ مصباحی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

بے انتہا مسرت ہوئی جب آپ کی فکری کاوشوں کا حسین گلدستہ رسالہ کی شکل میں نظر نواز ہوا بربناء مصروفیات سبھی مضامین بالاستیعاب تو نہیں پڑھ سکا البتہ جستہ جستہ پڑھنے کا اتفاق ہوا ماشاءاللہ ساری تحریریں لاجواب وبے مثال ہیں خاص کر اداریہ ”نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری“ تو اپنی مثال آپ ہے۔

حالات حاضرہ کے تحت قوم مسلم کی معاشی زبوں حالی، نامرادی وناکامی، ذلت ورسوائی کے اسباب، اسلام دشمن عناصر کے حملے اور ہماری خاموشیاں، مسلمانوں کے اندر تعلیمی فقدان، عبادت وریاضت سے دوری، آئے دن لوٹ کھسوٹ، حسد، چغلی، غیبت، بدعہدی وبداخلاقی اور اسطرح کی تمام برائیوں میں ملوث رہنا، قوم مسلم کی سچی قیادت کی ضرورت اپنی اس مختصر سی تحریر میں تمام پہلوؤں کو جو آپ نے اجاگر فرمایا ہے گویا سمندر کو کوزے میں سمودینے کے مترادف ہے۔”سہ ماہی رسالہ مسلک اعلیٰ حضرت“ ان شاءاللہ تعالیٰ اپنے سبھی شائقین وقارئین کے لئے نفع بخش ثابت ہوگا اور اس کے مطالعے سے جہاں معلومات میں اضافہ ہوگا وہیں ایمان میں جلا اور عقیدے میں نکھار پیدا ہوگا۔

اللہ پاک اس رسالہ کو عمر دوام اور جملہ اراکین کو صحت وسلامتی عطاء فرمائے۔
آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

فکر رضا کے اجالوں میں روشن مستقبل کے خاکے

محمد اشرف رضا قادری، مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت، بریلی شریف

محترم ومکرم مدیر اعلیٰ ”سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت“

سلام مسنون!

فکر رضا کے اجالوں میں روشن مستقبل کے خاکے بنا کر ان میں رنگ آمیزی کرنے کے لیے ”سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت“ کا اجرا ایک عمدہ پیش رفت اور قابل تحسین اقدام ہے، اس اہم پیش رفت پر مدیر اعلیٰ، ادارتی ٹیم اور ممبران اصحاب لوح وقلم کی بارگاہ میں گلہائے تہنیت پیش ہے۔ اس وقت مطالعہ کی برقی میز پر اکتوبر تا دسمبر ۲۰۲۱ کا تازہ شمارہ زینت مطالعہ ہے، سرورق دیدہ زیب، جاذب نظر اور دل کش ہے، تمام مشمولات بہتر سے بہتر اور افادیت سے بھرپور ہے۔

مدیر اعلیٰ کا اداریہ ”نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری“ ملت کی زبوں حالی، بدحالی، خستہ حالی اور صالح قیادت کے فقدان کا ایک دردنامہ ہے جو ملت اسلامیہ اور اہل خانقاہ کو درخشاں ماضی کی روشنی میں حال کا تجزیہ اور محاسبہ کی دعوت فکر دیتا ہے وہیں فکر رضا کے تابندہ نقوش کے سہارے روشن وتابناک مستقبل کے لیے منصوبہ سازی کرنے کے لیے مہمیز بھی کرتا ہے۔ آج ملت اسلامیہ ہر چہار جانب سے مسائل میں گھری ہے، مشکلات کا سامنا ہے، شیرازہ منتشر ہے؛ کشتی بھنور میں پھنسی ہے لیکن آج کوئی ناخدا نظر نہیں آتا جو کشتی ملت کو بھنور سے نکال سکے۔ ایسے نامساعد حالات میں ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑنے، بیدار کرنے، امت کی فکری تربیت کرنے، فکر رضا کی روشنی میں تعمیر امت کے لیے منصوبہ بندی ولائحہ عمل پیش کرنے کے لیے ”سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت“ کا اجرا خوش آئند ہے۔

”سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت“ کی ادارتی ٹیم کی بارگاہ میں چند مخلصانہ گزارشات ہے جن پر غور وفکر کرکے رسالے کو امتیازی خصوصیات کا حامل بنایا جاسکتا ہے۔

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ ہمہ جہت شخصیت تھے، آپ کے وہ کارہائے نمایاں جو ابھی تک پردہ خفا میں ہے، ان کمالات پر مضامین لکھوا کر شامل کیے جائیں۔

(۲) فکر رضا کی روشنی میں ملت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کے لیے ممکنہ صورتیں پیش کی جائیں۔

(۳) موجودہ حالات سے عہدہ برآں ہونے کے لیے فکری تربیت پر مشتمل مضامین شامل اشاعت کیے جائیں۔

(۴) فکری، عملی ارتداد کی روک تھام کے لیے ممکنہ کوششوں پر تبادلہ خیال کی راہ ہموار کرنے کے لیے مضامین کو جگہ دی جائے۔

(۵) الحاد وبے دینی کے مسائل، امکانات، رد پر لکھا اور لکھوایا جائے۔

(۶) اسلوب سادہ، سنجیدہ اور علمی رکھا جائے۔

اللہ کریم! ادارتی ٹیم ودیگر معاونین کو دارین کی سعادتیں عطا فرمائے، اور زور بازو میں مزید قوت عطا فرمائے۔ آمین

قصیدہ معراجیہ موسومہ بہ "درتہنیتِ شادیِ اسریٰ" ایک جائزہ

ڈاکٹر عرفان رضا، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

قصیدہ نگاری کے نشیب وفراز:

جس طرح دیگر اصناف سخن میں مثنوی، رباعی، غزل، وغیرہ کا اپنا ایک منفرد اور جداگانہ مقام ہے۔ اسی طرح نعتیہ قصیدہ بھی اپنے اصول وضوابط کے اعتبار سے ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ قصیدہ کہنا لکھنا تو آسان ہے لیکن نعتیہ قصیدہ خود میں ایک مشکل صنف ہے۔ اللہ پاک نے امام احمد رضا خان کے قلم کو ایسی جامعیت اور قوت عطا فرمائی کہ امام احمد رضا خاں نے جس موضوع پر بھی اشعار لکھے تو اس کی منظرکشی کا حق ادا فرما دیا، جسے دیکھ کر فن شاعری کے ماہرین حیران ہو جاتے ہیں، اس کی زبردست مثال انتہائی مختصر سے وقت میں لکھا جانے والا "قصیدہ معراجیہ" ہے جو کہ 67 اشعار پر مشتمل ہے۔ امام احمد رضا خان نے یوں تو تقریباً ہر صنف شاعری میں طبع آزمائی کی ہے اور نہایت کامیابی کے ساتھ، لیکن ہم یہاں اردو نعتیہ قصیدہ کے تحت کچھ عرض کریں گے۔ قصیدہ کی ابتدا عربی شاعری سے ہوئی عربی سے فارسی اور فارسی سے اردو ادب میں داخل ہوئی اور اپنا اثر مرتب کیا، قصیدہ ایک موضوعی صنف سخن ہے جس میں کسی کی مدح یا ہجو کی جاتی ہے لیکن زیادہ تر قصائد مدح وتوصیف کی غرض سے لکھے گئے ہیں، اس کے علاوہ مناظر قدرت، پند ونصائح، معاشی، بدحالی، سیاسی انتشار وغیرہ جیسے موضوعات بھی قصیدے میں بیان کیے جاتے ہیں۔ قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں، تشبیب، گریز دعا یا حسن طلب۔ پہلا شعر قصیدہ کا مطلع کہلاتا ہے یعنی تشبیب، دوسرا جزو "گریز" جس میں شاعر ممدوح کی تعریف و توصیف کرتا ہے اور داد وتحسین اکٹھا کرتا ہے، شعرائے متقدمین میں مرزا محمد رفیع سودا اور ان کے بعد خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوق کا نمبر ہے۔ مرزا غالب نے بھی بہت اچھے قصیدے کہے ہیں لیکن ہم اپنے ہم عصر ذوق پر اس فن میں برتری حاصل نہ کر سکے ان حضرات کے قصائد میں مدح کے اشعار کم تعداد میں ملتے ہیں، اگر ملتے بھی ہیں تو کسی طلب کی منزل پر آکر قصیدہ ختم ہو جاتا ہے۔ نعت گو شعرا میں امیر مینائی، مولانا کرامت علی شہیدی، اور حضرت مولانا سیّد محمد محسن کاکوروی علیہم الرحمہ بہت اچھے قصیدے لکھے ہیں۔ حضرت مولانا سیّد محمد محسن کاکوروی کا قصیدہ "لامیہ" نعتیہ قصیدہ میں بہت مقبول ہوا اور اردو کی نعتیہ شاعری میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ پیش ہے اس قصیدے کا مطلع:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پر لاتی ہے صبا گنگا جل

نیز محسن کاکوروی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی والہانہ عقیدت ومحبت کے اظہار کرنے کا طریقہ بھی بڑا ہی دلکشا اور محاسن شعری وسراپا نگاری کی ایک روشن مثال ہے۔

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا
مٹا ڈالیں بنا کر صورتیں آدمؑ سے تا عیسیٰؑ
کہیں تب جا کے اترا راست اِک نقشہ ترے قد کا

زبان کے اعتبار سے اس کی زبان نہایت سادہ، شائستہ اور بامحاورہ ہے۔ روزمرہ کا برمحل اور مناسب "کلمہ" قریب قریب ہر شعر میں نظر آتا ہے۔ زبان کی سلاست یہاں تک ملحوظ رکھی گئی ہے کہ آیات قرآنی یا احادیث کی تلمیحات کلام میں نہیں ہیں۔ عربی وفارسی کے مانوس الفاظ سے بچا گیا ہے۔ حسن کلام کے اعتبار سے اس کی بندشیں چست اور برمحل شریں الفاظ کا دربست تشبیہات کی سادگی اور نکھار، استعارات کی جدت، لہجے میں گھلاوٹ اور سریلا پن، وارفتگی، طرز ادا میں نفاست، جذبات میں خلوص اور بے ساختگی فکر میں رعنائی اور رفعت خیال کی شادابی اور طہارت، ان ہی عناصر کے امتزاج سے یہ قصیدہ مرصع ہے۔ انداز بیان دیکھئے:

یہ جوشش نور کا اثر تھا، کہ آب گوہر کمر کمر تھا
صفائے رہ پھسل پھسل کر، ستارے قدموں پہ لوٹتے تھے
وہ ظل رحمت وہ رخ کے جلوے، کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پاتے
سنہری زربفت اودی اطلس، یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے تھے
اتار کر ان کے رخ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر، جبیں کی خیرات مانگتے تھے

قصیدہ معراجیہ کا پس منظر یا محرک

مایہ ناز نعت گو قصیدہ گو شاعر مولانا سید محمد محسن، والد کا نام مولوی حسن بخش تھا سید علوی تھے 1242ھ/ 1823ء کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ مولانا سیّد محمد محسن کاکوروی کو شعرگوئی سے فطری لگاؤ تھا، شاعری پیشہ نہ تھی جو کہتے تھے خلوص ومحبت اور سچے دل سے کہتے تھے موصوف کو زبان پر پوری قدرت حاصل تھی، وہ قرآن پاک اور دیگر حدیثوں سے خوب مضامین نکالتے تھے، انکی شاعری میں تلمیحات وتاریخی حوالے بیجد پائے جاتے ہیں۔ ان کا مذکورہ قصیدہ بے حد مقبول ہوا۔ ایک بار جب انہوں نے اپنا قصیدہ لامیہ "سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل" سنانے کے لیے بریلی شہر میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے پاس گئے، ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنایا جائے گا۔ عصر کی نماز سے قبل امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے اپنا طویل "قصیدہ معراجیہ" تحریر کیا۔ جب آپ نے اپنا قصیدہ معراج تصنیف کر لیا پھر نماز عصر کے بعد جب دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے تو امام احمد رضا رضا خاں فاضل بریلوی نے

حضرت محسن کاکوروی سے فرمایا کہ پہلے آپ میرا ''قصیدہ معراجیہ'' سن لیں، جب حضرت مولانا محسن کاکوروی نے امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کا قصیدہ سنا تو انہوں نے اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں رکھ لیا اور کہا مولانا آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔ حضرت سیّد مولانا محمد محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کا 1323ھ/ 1905ء کو انتقال ہوگیا۔

اس واقعہ سے یہ ہرگز نہ سمجھا جائے کہ مولانا سیّد محمد محسن کاکوروی کا ''قصیدہ لامیہ'' امام احمد رضاخاں صاحب کے ''قصیدہ معراجیہ'' سے معمولی تھا۔ موصوف نعتیہ شاعری وقصیدہ گوئی کے شہنشاہ تھے۔ جس کی مثال اردو شاعری میں تو بہت دور فارسی شاعری میں بھی بہت مشکل سے ملتی ہے۔ تو جہاں ایک طرف مولانا سیّد محمد محسن کاکوروی قصیدہ گوئی کے شہنشاہ تھے، تو دوسری طرف امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نعتیہ قصیدہ گوئی کے بے تاج بادشاہ تھے۔

لیکن اکثر وبیشتر محققین وناقدین کی تحریر قصیدہ نگاری کے تعلق سے تعصب اور منفی سوچ پر منحصر ہوکر رہ گئی ہے۔ کہ محسن کاکوروی کے بعد قصیدے کا باب ختم ہوجاتا ہے۔ پروفیسر افتخار اجمل شاہین بھی قصیدے سے متعلق اپنی منفی سوچ اور علمی خیانت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''اگرچہ محسن کاکوری کے بعد اُردو قصیدے کا باب ختم ہوجاتا ہے، لیکن میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ایسے قصائد کو پھر
رائج کیا جائے، جس میں ملک وقوم کے عظیم رہنماؤں، خادموں اور پرستاروں کی تعریف معقول پیرائے میں کی
جائے اور ہم کبھی کبھی اپنے قدیم ورثے کی طرف بھی نظر اٹھا کر دیکھیں کہ اس گڈری میں کیسے کیسے لعل پوشیدہ ہیں''2۔

حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ محسن کاکوروی کے وفات کے بعد تقریباً پندرہ سال تک امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے اپنی نعتیہ شاعری اور قصیدہ نگاری کے ذریعے دین کی بے پناہ خدمات انجام دی اور ساتھ ہی اردو ادب کی ترویج واشاعت میں چار چاند لگادیئے۔ نعتیہ قصیدہ کے تعلق سے جو کمال امام احمد رضا کے حصّہ میں آیا وہ کسی کا مقدّر نہ بن سکا۔ بلاشبہ وہ اردو ادب کے مزاج سناش تھے۔ نعتیہ قصیدہ نگاری میں وہ حضرت سیّد مولانا محمد محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی سبقت لے گئے، پس منظر میں ذکر ہوا۔ اسی لئے تو حضرت داغ دہلوی علیہ الرحمۃ نے کہا تھا۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھادیئے ہیں

اس قصیدے کی تشبیب کے بارے میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں:

''ایسی نرالی تشبیب آپ کو اردو کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملے گی، ذوق اور سودا قصیدے کے بادشاہ ہیں لیکن ان کی کسی تشبیب میں ندرت اور ایسا زور نہیں'' اس واقعے کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مقابلہ ہمیشہ برابر والوں سے ہوتا ہے اور دونوں حضرات اپنے اپنے شاعرانہ فن میں ماہر تھے، عقیدت اپنی جگہ اور فن اپنی جگہ۔ قصیدہ معراجیہ کے تصنیف کا سال معلوم نہیں ہوسکا قیاس یہ ہے کہ 1320ھ سے قبل لکھا گیا۔ ماہر رضویات ڈاکٹر مسعود احمد نقشبندی مجلّہ امام احمد رضا کانفرنس کراچی 1997ء میں رقمطراز ہیں کہ: ''قصیدہ معراجیہ 1303ھ/ 1885ء میں لکھا گیا 67 اشعار پر مبنی یہ قصیدہ بعنوان ''در تہنیت شادی اسریٰ'' علٰیحدہ کتابی صورت میں شائع ہوکر مقبول ہوا۔ 1325ھ میں اسے حدائق بخشش حصہ اول میں شامل کر کے شائع کیا گیا۔3۔

امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قصیدہ معراجیہ کا آغاز فرماتے ہوئےتشبیب کا استعمال اس طرح کرتے ہیں۔

وہ سرورِ کشورِ رسالت، جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں، عرب کے مہماں کیلئے تھے

قصیدے کا یہ مطلع تجنیس کامل اور تجنیس جزوی کی عمدہ مثال ہے۔ تجنیس یہ کہ ایک شعر میں دو لفظ ایسے ہوں جو ہم وزن ہوں اور اس میں اکثر لفظ ملتے جلتے ہوں۔ یہاں پر ''سرور'' اور، کشور'' طرب، عرب'' ساماں، مہماں'' تو یہ صنعت لفظی ہے۔ امام احمد رضا خان نے قرآن شریف کی پیروی کرتے ہوئے اپنے اس قصیدے کی ابتدا کی ہے۔ (وہ سرور کشور رسالت) جو رسالت کے سلطنت کے بادشاہ ہیں، جو معراج کی شب عرش پر تشریف لے گئے۔ (اور عرب کے مہماں) یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم کا وصف ہے۔ کہ سرکار دو عالم سب سے افضل واعلی ہیں۔ اور معراج یہ باری تعالیٰ کی طرف سے عظیم تحفہ ہے، جو عرب کے مہماں کو دیا گیا۔ ڈاکٹر ابو محمد سحر نے قصیدے کے لئے ایک اور شرط بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''تشبیب کے لئے ایک اور شرط بیان کی گئی ہے کہ اس کے اشعار مدح سے زیادہ نہ ہو۔ ابن رشیق نے اس کو قصیدے کے معائب میں شمار کیا ہے کہ تشبیب زیادہ ہو اور مدح کم ہو''۔4۔

بہار ہے شادیاں مبارک، چمن کو آبادیاں مبارک ملک فلک اپنی اپنی لے میں، یہ گھر عنادل کا بولتے تھے۔

قصیدہ کا یہ شعر حسن مطلع ہے۔ تمام فرشتے اور تمام افلاک اپنی اپنی سُر اور لہجے میں بلبلوں کے انداز میں نغمہ سرا تھے، اور ایک دوسرے کو کہہ رہے تھے کہ آج کیسی بہار ہے؟ آج کی رات کیسی خوشیوں والی رات ہے؟ آج باغوں میں کتنی رونق ہے؟ شبِ معراج میں آسمان اور فرشتے اپنی اپنی لطیف آوازوں میں بلبلوں کی طرح چہچہاتے تھے اور چمن جہاں کو خوشیوں اور بہار (جانِ بہار سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کی مبارک باد دیتے تھے۔

وہاں فلک پر یہاں زمیں میں، رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اُدھر سے انوار ہنستے آتے، اِدھر سے نفحات اُٹھ رہے تھے

مذکورہ بالا شعر صنعت تضاد اور صنعت تجنیس کی ایک عمدہ مثال ہے۔ صنعتوں میں ایک صنعت تضاد ہوتی ہے۔ مثلاً ''فلک اور زمین'' فلک کا الٹا زمین ہوتا ہے۔ یہاں تضاد لفظی ہے۔ ''رچی تھی اور مچی تھی'' یہ صنعت تجنیس ہے۔ ''اُدھر اور اِدھر'' یہ صنعت تضاد ہے۔ دونوں عالم کے دولہا، سرورِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی خوشی میں زمین وآسماں میں جشن کا سماں تھا، آسمانوں میں بھی خوشیاں منائی جارہی تھیں، زمیں پر بھی ان کی عظمت وکرامت کی دھوم مچی تھی۔ آسمان سے نور ورحمت کی بارش تھی تو زمیں خوشبوؤں میں بسی ہوئی تھی۔

اب تشبیب کے بعد گریز کے بھی چند اشعار اور پھر سفر حبیب خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال، اور کنایۃً جبرائیل علیہ السلام کا حال نیز حضرت موسیٰ

علیہ السلام کا موازنہ، حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو ربّ ذوالجلال کا اعزاز یہ: اور لا مکاں کا ایسا تخیّلا نہ پرواز جہاں عقل وخرد کہیں سے کہیں کوئی گذر نہیں ان تمام غیر مرّئی اشیا، جذبات وخیالات وکیفیات جو سمجھ سے بالاتر ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کیجئے۔

یہی سماں تھا کہ پیکِ رحمت، خبر یہ لایا کہ چلیے حضرت
تمہاری خاطر کشادہ ہیں جو، کلیم پر بند راستے تھے
بڑھ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریں ہو احمد، قریب آ سرور مُجّد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے
سراغ اَین و متیٰ کہاں تھا، نشانِ کیف وَ الیٰ کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی، نہ سنگِ منزل نہ مرحلے تھے

حسن تغزل:

”بقول غلام مصطفی رضوی: امام احمد رضا خاں نے اپنے کلام کے توسط سے بہت سے متروک لفظوں میں نئی جان ڈال دی ہے۔ ادبی دقایق کی گرہیں کھولی ہیں، نکتہ سنجی نے مفہوم کو وسعت عطا کر دی ہے، فنی فضا بڑی نکھری نظر آتی ہے، ہمارے امام کے کلام میں، آپ کا ادبی ولسانی رخ سے یہ کارنامہ ہے کہ اردو زبان کو تاثیر بیان عطا کی ہے۔ نئے لب ولہجے سے آشنائی بخشی، غنائیت ونغمگی عطا کیا“ پنے معاصرین شعرا میں مفتی امیر احمد امیرؔ مینائی، بیان یزدانی، اکبر وارثی، حسن بریلوی اور اردو کے دیگر نعت گو شعرا میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی قدس سرہٗ کو جو امتیازی مقام حاصل ہے اس کی پہلی وجہ تو عشق نبی ہے، جس میں آپ سرتاپا ڈوبے ہوئے تھے۔ دوسری وجہ شدت احساس وخلوص جذبات کی ہم آہنگی ہے جو آپ کے کلام میں حسن تغزل پیدا کر دیا۔ یا آپ کی زندگی کا محور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہی آپ کے کلام کی اساس ہے ہر شعر میں یہ رنگ نمایاں ہیں۔ آپ کے پاکیزہ جذبات اور عمل وکردار سے جو حسن تغزل پیدا ہوا ہے اس کی شعاعوں سے کلام رضا کی پوری کائنات منور ہے اور جگمگا رہی ہے، قصیدہ معراجیہ جیسے مشکل موضوعات میں بھی تغزل کا ویسا ہی رچاؤ ہے جیسا نعت میں۔ ذرا قصیدہ معراجیہ کے مندرجہ ذیل دو شعر ملاحظہ ہوں۔:

نقاب اُلٹے وہ مہرِ انور، جلال رخسار گرمیوں پر
فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی
تپکتے خدا ہی دے صبر جان پرغم
دکھاؤں کیونکر تجھے وہ عالم جب ان کو جھرمٹ میں لے کے قدسی
جناں کا دولہا بنا رہے تھے

چند اشعار آپکے مشہور سلام ”قصیدہ سلامیہ“ کے رقم کر رہا ہوں، اسے بھی ملاحظہ کیجئے جو حسن تغزل کی جان ہے۔

طائرانِ قدس جس کی ہیں قمریاں
اس سہی سرو قامت پہ لاکھوں سلام
پتلی پتلی گل قدس کی پتّیاں
ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام

آپ کے اس رنگ تغزل کو آپ کے بعد آنے والے نعت گو شعرا نے بھی اختیار کیا جن میں شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال، علامہ ضیاء الحق قادری بدایونی علیہ الرحمۃ، جناب بہزاد لکھنوی علیہ الرحمۃ، پیر طریقت نبیرہ امام احمد رضا خان حضرت علاّمہ اختر رضا خان ازہری علیہ الرحمۃ وغیرہ۔ دور حاضر کے شعرا کی نعت اسی حسن تغزل کی آئینہ دار ہے۔ جس کی بنیاد امام نعت گویاں فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے رکھی تھی۔

نئ دلہن کی پھبن میں کعبہ، نکھر کے سنورا سنور کے نکھرا
حجر کے صدقے کمر کے اک تل، میں رنگ لاکھوں بناؤں کے تھے

مذکورہ بالا شعر میں تشبیہ کی عمدہ منظر کشی کی ہے۔ امام احمد رضا خان فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں کعبہ مقدّسہ کو اللہ تعالیٰ نے سجایا جس طرح نئ نویلی دولہن اپنے آپکو سجاتی ہے۔ 6؎ (زینت کعبہ کو نئ دولہن کی زیبائش سے تشبیہ دی۔) قصیدہ معراجیہ میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے دو جگہ لفظ ”دولہن“ اور چار جگہ لفظ ”دولہا“ کا استعمال فرمایا ہے۔ کعبہ مقدّسہ اور حضور رحمت عالم کے لئے ان کا استعمال کیا ہے۔ اس پر فتاویٰ رضویہ جلد 15 میں صفحہ نمبر 283 تا 291 میں مدلّل بیان کیا ہے۔ دلائل و براہین آپ وہاں ملاحضہ کر سکتے ہیں۔ معراج کی شروعات مکّہ مکرّمہ سے ہوئی اور وہ بھی رات میں کعبہ کا حسن دوبالا ہوتا ہے جیسے دلہن نے خوب بناؤ سنگھار کیا ہو، یعنی نکھر کے سنورا اور سنور کے نکھرا۔ اس پر اور حسن و جمال کی انتہا نہ رہی کہ حجر اسود جو کعبہ مقدّسہ کی کمر میں ایک تل کی طرح ہے اس میں لاکھوں خوبصورتی کے رنگ بھرے ہوئے تھے۔ امام احمد رضا نے حجر اسود کو تل سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں، کہ جو کالا پتھر ہے گویا ایک تل کی طرح تھا۔ یہ بھی حسن کا ایک انداز تھا۔

پیکر تراشی کا اندازِ بیان: لغوی معنیٰ: شکل، ہیت، جسم، اصطلاحی معنیٰ: تمثال، خیالی شبہیں، لفظی تصویریں، جانی چیزوں کو گویا نئے طرز سے دکھانا، 7؎ ’یعنی قاری کے ذہن و دماغ اور چشم خیال میں ایسی تصویر اُبھرے یا دکھائی دے جیسے کے وہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہو۔“ پیکر ایسا لفظ، یا ترکیب (مجموعہ الفاظ) ہوتا ہے جس سے ایکِ حسّی ادراک کا خیال پیدا ہوتا ہے‘ 7؎ ’یہ پیکر اپنی لفظی حیثیت میں تشبیہات، استعارات، مجاز مرسل، یا مرکباتِ اضافی وتوصیفی کا سہارا ڈھونڈتی ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ گو ممکن ہے پیکر کسی ایسی ترکیب یا جملہ کی شکل میں پیش کیا جائے جو سطحی طور پر تو محض ایک بیانیہ الفاظ کا ہو، لیکن ہمارے ذہن کو کسی خارجی حقیقت کی عکاسی پر مستزاد کسی چیز کی طرف منتقل کرے۔ چنانچہ ہر شاعرانہ پیکر کسی نہ کسی حد تک استعارے کی خصوصیت رکھتا ہے، 8؎۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی کی پیکر تراشی کا نمونہ قصیدے کے مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ کریں۔

زبانیں سوکھی دکھا کے موجیں، تڑپ رہی تھیں کہ پانی پائیں
بھنور کو یہ ضعف تشنگی تھا، کہ حلقے آنکھوں میں پڑ گئے تھے
اُٹھی جو گردِ رہِ مُنوّر، وہ نور برسا کہ راستے بھر
گھرے تھے بادل بھرے تھے جل تھل، امنڈ کے جنگل ابل رہے تھے

مندرجہ بالا اشعار میں موجوں کا سوکھی زبانیں دکھانا، بھنور کی آنکھوں میں حلقے پڑنا، راہِ منور کی گرد سے نور کا برسنا، اور جنگل کا اُمنڈ کے اُبلنا، ایسے

استعارے ہیں جو ان اشعار کی پیکریت کی تشکیل کرتے ہیں۔امام احمد رضا کی شاعری میں پیکر تراشی کی بہت ساری مثالیں ہیں۔مثلاً:''خوشی کے بادل کا اُمنڈنا، دلوں کے طاؤس کا رنگ لانا'' وہ فرماتے ہیں:

خوشی کے بادل امنڈ کے آئے، دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمہ ءنعت کا سماں تھا، حرم کو خود وجد آرہے تھے

نوری پیکر و نوری لباس:۔

نہا کے نہروں نے وہ چمکتا، لباس آبِ رواں کا پہنا
کہ موجیں چھڑیاں تھیں دھار لچکا، حبابِ تاباں کے تھل ٹکے تھے

بصری صفات کی جھلکیاں:

حجاب اٹھنے میں لاکھوں پردے، ہر ایک پردے میں لاکھوں جلوے
عجب گھڑی تھی کہ وصل و فرقت، جنم کے گلے ملے تھے
اتار کر ان کے رُخ کا صدقہ، یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر، جبیں کی خیرات مانگتے تھے

مذکورہ بالا اشعار میں لامکاں کے اندر تمام حجابات نوری کا اُٹھنا، اور باری تعالیٰ کا جلوہ ملاحظہ کرنا، وہ وقت کیسا تھا رب تبارک وتعالیٰ جانے اور اس کا رسول ﷺ، وصل و فرقت کا آپس میں گلے ملنا، اور چاند و سورج کا مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگنا، ایسا لگتا ہے کہ مذکورہ تمام اشیا کا تصور ہی نہیں بلکہ ہم اس کا معائنہ بھی کر رہے ہیں۔یہ امام احمد رضا خاں کی پیکر تراشی کا کمال ہے۔امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے اردو زبان و ادب سے متعلق اپنی شاعری میں محاورات کا استعمال بڑے ہی پاکیزہ انداز میں کیا ہے۔مندرجہ ذیل اشعار کے پہلے شعر میں ''رنگ لانا'' دوسرے شعر میں ''لالے پڑنا'' وغیرہ۔اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے اشعار ہیں جن میں روزمرہ استعمال ہونے والے محاورات کو بڑے ہی حسین اور پرکشش انداز میں پیش کیا ہے۔

وہ باغ کچھ ایسا رنگ لایا، کہ غنچہ و گل کا فرق اٹھایا
گرہ میں کلیوں کے باغ پھولے گلوں کے تکمے لگے ہوئے تھے
خرد سے کہدو کہ سر جھکالے، گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یاں خود جہت کو لالے، کسے بتائے کدھر گئے تھے

حسن مقطع یا حسن اختتام: فارسی لغت میں اس کی تعریف ان الفاظ میں دی ہے ''وہ خوشنما عبارت یا شعر جن سے اظہار مدعا کے ساتھ کلام ختم کیا جائے'' اس کو حسن ختام بھی کہا گیا ہے، (حسن مقطع یا حسن ختام آن است کہ گویندہ یا نویسندہ مطلب را با عبارت یا شعری زیبا و مطبوع ختم کند۔9۔یہ تعریف قصیدے کے اعتبار سے تو صحیح ہو سکتی ہے، لیکن غزل پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔یہاں پر بھی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بڑی ہی خوش اسلوبی اور اپنے ایک منفرد قادر الکلامی اور بے پناہ خداداد علمیت کا مظاہرہ، اور پرشکوہ الفاظ نیز جامع اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے خود کو آقائے دوعالم ﷺ کے عشق میں سرشار ہو کر اپنے عاجزانہ انداز میں اپنے حق میں دعا مانگتے نظر آرہے ہیں۔ملاحظہ کیجیے مندرجہ ذیل اشعار:

نبی رحمت شفیع امت رضا پہ، للہ! ہو عنایت
اِسے بھی اُن خلعتوں سے حصہ، جو خاص رحمت کے واں بٹے تھے
ثنائے سرکار ہے وظیفہ، قبولِ سرکار ہے تمنا
نہ شاعری کی ہوس نہ پروا، رَوِی تھی کیا کیسے قافیے تھے

یعنی امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی فرمارہے ہیں، کہ بلاتشبیہ و تمثیل اللہ عزّ و جل بڑا ہی کریم ہے اور آپ ﷺ اس وحدہٗ لاشریک کے محبوب ہیں، آپ ایسے نبی ہیں جو ساری کائنات کے لئے رحمت ہیں اور امّت کے لئے کل میدانِ محشر میں آپ ہی سفارشی ہونگے، لہٰذا مجھ پر بھی کچھ عنایت ہو جائے، اور مجھے بھی ان خلعتوں سے تھوڑا سا حصّہ مل جائے، جو لامکان میں اللہ جلّ شانہ نے آپ کو عنایت فرمایا۔ساتھ ہی آخری شعر میں اپنی والہانہ عاجزی و انکساری کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے جو یہ قصیدہ کہا فقط آپ ﷺ کی ثنا ہے اس لئے اسے قبول فرمالیں۔کیوں کہ نہ مجھے شاعری کا شوق تھا نہ کوئی لالچ نہ دنیا کی کوئی جاہ و حشمت، اسکے علاوہ قصیدہ کے جملہ ارکان ردیف و قافیہ کی پیمائش آپ ﷺ کے صدقے ہوا میں نے کچھ نہیں کیا۔پھر بھی یہ ''قصیدہ معراجیہ'' ایک ایسا علمی خزانہ ہے جس پر دنیائے اسلام کو ناز ہے۔اس لئے حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کو ہم بے پناہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔نیز نعتیہ قصیدہ گوئی میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی اپنا واحد اور منفرد مقام رکھتے ہیں۔کیونکہ امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے شریعت کے تقاضوں کی پاسداری کرتے ہوئے اپنا اردو زبان میں نعتیہ قصیدہ کہاں تو اسے مقبولیت اور شہرت دوام کا وہ مرتبہ ملا جو آج تک نعتیہ شاعری کے حوالے سے کسی کا مقدر نہ بن سکا۔نعتیہ قصیدہ گوئی کے لفظی و معنوی داخلی و خارجی معراج عطا کرنے والوں میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کا نام سرفہرست ہے۔

حواشی:

1۔ حدائق بخشش: امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ، حصّہ اول
2۔ اردو میں قصیدہ نگاری، مرتبہ ڈاکٹر اُم ہانی اشرف، ص 47، (ماخوذ از مضمون: اردو میں قصیدہ نگاری، عارفہ شبنم
3۔ ماخوذ از: قصیدہ معراجیہ کا تحقیقی جائزہ، سید محمد مبشّر قادری، انجمن ضیائے طیبہ کراچی، 2020ء
4۔ اردو میں قصیدہ نگاری، ڈاکٹر ابو محمد سحر، مطبوعہ لکھنو، ص 19۔
5۔ فتاویٰ رضویہ جدید، جلد 15 ص 28
6۔ کلیم الدین احمد: فرہنگ ادبی اصطلاحات (امیج، امیجری) (ماخوذ از: فرہنگ ادبیات اردو، ج۔ع۔واجد، مطبوعہ دہلی 2010ء)
7۔ Lewis,Cecil Day:The Poetic Image. (ماخوذ از: فرہنگ ادبیات اردو، ج۔ع۔واجد، مطبوعہ دہلی 2010ء)
8۔ سلک (مائیکل): تفاعلی پیکر، Silk,Michael: Interactive Imagery (ماخوذ از: فرہنگ ادبیات اردو، 2010ء)
9۔ خانلری (زہرا) فرہنگ ادبیات فارسی دری: (ماخوذ از: فرہنگ ادبیات اردو، ج۔ع۔واجد، ص 228، مطبوعہ دہلی 2010ء)

اعلیٰ حضرت کی مشہور نعتیں اور ان کے بحور

مولانا تحسین ضیا فیضی مصباحی، مظفر پور

بحر علم عروض کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔جس سے مراد وہ خاص وزن ہوتا ہے جسے اہل عروض نے شعر کہنے کے لیے طے کیا ہے۔ بحر کے ذریعہ ہی اشعار کی جانچ اور پرکھ کا کام ہوتا ہے۔شعر موزوں ہے یا غیر موزوں اس کا پتا بحر کے ذریعہ ہی لگایا جاتا ہے۔بحر کے ذریعہ شعر کی جانچ کے اس عمل کو عروض کی اصطلاح میں تقطیع کہتے ہیں۔

بحور کی کل تعداد 19 ہیں۔جن میں سے سات مفرد اور بارہ مرکب ہیں۔
ان بحور کے علاوہ بھی بحریں ایجاد ہوئی ہیں مگر وہ غیر مشہور اور غیر متداول ہیں۔
حدائق بخشش اول دوم میں درج ذیل 12 بحور کا استعمال ملتا ہے۔
(۱)ہزج (۲)متقارب (۳)متدارک (٤)رجز (٥)رمل (٦)مقتضب (۷)مضارع (۸)کامل (۹)خفیف (۱۰)وافر (۱۱)مجتث (۱۲)منسرح
ان کے علاوہ سات بحور ؛ (۱)مدید (۲)حدید (۳)سریع (٤)طویل (٥)بسیط (٦)قریب اور (۷)مشاکل کا استعمال نہیں کیا گیا ہے۔اور ویسے بھی ان بحور کے ایک دو وزن کو چھوڑ کر اکثر اوزان غیر مانوس اور متروک ہیں۔
اعلی حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ معقولات ومنقولات کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ ملک شعر وسخن کے بھی بے تاج بادشاہ ہیں

ع — ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم

آپ کا دیوان حدائق بخشش آپ کی شعری صلاحیت اور عروضی مہارت کا بین ثبوت ہے۔اس میں موجود ہر ایک کلام ؛ شستہ الفاظ ، چست تراکیب ، ندرت خیال ، اور جذبات عشق ومحبت سے لبریز ہے۔
حدائق بخشش اول ودوم میں رباعیات چھوڑ کر 119 کلام موجود ہیں۔
لیکن ہم ان میں سے صرف ان چند نعتوں اور ان کی بحروں کا تذکرہ کریں گے جنہیں عوام وخواص میں کافی شہرت ومقبولیت حاصل ہوئی ہے اور جنھیں عام طور سے محفلوں اور جلسوں میں پڑھا جاتا ہے۔ذیل کی سطروں میں ہم مشہور و منتخب نعتیں ان کے بحور اور بحور کے ارکان پیش کر رہے ہیں۔
بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ ، اندھیری رات ہے غم کی گھٹا عصیاں کی کالی ہے۔ یہ دونوں نعتیں بحر ہزج مثمن سالم میں ہے۔اس کے ارکان ہیں "مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن" دوبار ۲ بار۔

زہے عزت واعتلائے محمد ﷺ ، چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے۔ یہ دونوں نعتیں بحر متقارب سالم میں ہیں۔ اس کے ارکان "فعولن فعولن فعولن فعولن" ۲ بار ہیں۔

سب سے اولا و اعلی ہمارا نبی اور مصطفی جانے رحمت پہ لاکھوں سلام۔ یہ دونوں کلام بحر متدارک مثمن سالم میں ہیں۔ اس کے ارکان ہیں" فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن" ۲ بار۔ اس کے عروض وضرب میں فاعلن کی جگہ" فاعلان" مذال بھی درست ہے۔
رخ دن ہے یا مہر سما یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں، اس کی بحر بحر رجز مثمن سالم ہے۔اس کے ارکان" مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن" ۲ بار ہیں۔
وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں۔ یہ نعت بحر کامل مثمن سالم میں ہے۔اس کے ارکان ہیں" متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن" ۲ بار۔
زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے۔ یہ نعت بحر وافر مثمن سالم میں ہے۔ اس کے ارکان ہیں" مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن" ۲ بار۔
ہے کلام الٰہی میں شمس الضحیٰ تیرے چہرہ نور فزا کی قسم ، لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا۔ یہ دونوں نعتیں بحر متدارک مثمن مخبون مسکن مخبون مضاعف میں ہیں۔ اس کے ارکان ہیں" فعلن فعلن فعلن فعلن" ایک مصرعے میں ۲ بار۔
لطف ان کا عام ہو ہی جائے گا ، دشمن احمد پہ شدت کیجیے ، سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا۔ یہ تینوں کلام بحر رمل مسدس محذوف میں ہیں۔اس کے ارکان ہیں:" فاعلاتن فاعلاتن فاعلن" ۲ بار۔
ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے ہیں۔ یہ کلام بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف مخنق سالم الآخر میں ہے۔ اس کے ارکان ہیں:" مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن" ۲ بار۔
سرور کہوں کہ مالک ومولی کہوں تجھے ، پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو ، بھینی سہانی صبح میں ٹھنڈک جگر کی ہے ، اے شافع امم شہ ذی جاہ لے خبر ، رشک قمر ہوں رنگ رخ آفتاب ہوں۔ یہ پانچوں کلام بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف میں ہے۔اس کے ارکان ہیں:" مفعول فاع لات مفاعیل فاع لن" ۲ بار۔
لحد میں عشق رخ شہ کا داغ لے کے چلے۔ یہ کلام بحر مجتث مثمن مخبون محذوف میں ہے۔اس کے افاعیل ہیں:" مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن" ۲ بار۔
دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے ، وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں۔ یہ دونوں کلام بالترتیب بحر خفیف مسدس مخبون محذوف/مخبون محذوف مسکن میں ہیں۔ اس کے ارکان ہیں:" فاعلاتن مفاعلن فعِلن/فعْلن" ۲ بار۔
اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے ، وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے۔ یہ دونوں نعتیں بحر مقتضب مثمن مخبون مرفوع ، مخبون مرفوع مسکن مضاعف میں ہے۔ اس کے ارکان ہیں:" فعول فعْلن

فعولن فعْلن فعول فعُلن فعول فعُلن ۲ بار۔

کعبے کے بدرالدجیٰ تم پہ کروڑوں درود۔ یہ کلام بحر منسرح مثمن مطوی موقوف میں ہے۔اس کے ارکان ہیں: ''مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلات''۔۲ بار

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے ۔ یہ نعت بحر متقارب اثرم، مقبوض مخنق، مقبوض مخنق، مخنق مضاعف میں ہے۔اس کے ارکان ہیں: ''فعلن فعلن فعلن فعلن'' ایک مصرع میں ۲ بار۔اس میں صدر وابتدا فعل فعلن ،حشوین فعول، فعولن، فعلن اورعروض وضرب فعلن اور فعولن آسکتے ہیں۔

ہم خاک ہیں اور خاک ہی ماویٰ ہے ہمارا، سرتا بہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول۔ یہ دونوں نعتیں بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف/مقصور میں ہیں۔ اس کے ارکان ہیں: ''مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن/فعولان'' ۲ بار۔

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے، مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے۔ یہ دونوں نعتیں بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف مخنق سالم الآخر میں ہیں۔اس کے ارکان ہیں: ''مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن'' ۲ بار۔

غم ہو گئے بے شمار آقا ۔ یہ نعت بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض مخنق محذوف میں ہے۔اس کے ارکان ہیں: ''مفعول مفاعلن فعولن'' ۲ بار۔

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائیں کیوں، عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے، یاد وطن ستم کیا دشت حرم سے لائی کیوں۔ یہ تینوں کلام بحر رجز مثمن مطوی مخبون میں ہیں ۔ اس کے ارکان ہیں: ''مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن'' ۲ بار۔

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا، حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو، کس کے جلوے کی جھلک ہے یہ اجالا کیا ہے، نار دوزخ کو چمن کردے بہار عارض، یاد میں جس کی نہیں ہوش تن وجاں ہم کو، واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا، چمن طیبہ میں سنبل جو سنوارے گیسو۔ یہ ساتوں نعتیں بحر رمل مثمن مخبون محذوف میں ہیں۔اس کے ارکان ہیں: ''فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن'' ۲ بار۔

عارض شمس وقمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں، یاالٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو، یاالٰہی رحم فرما مصطفیٰ ﷺ کے واسطے، عرش حق ہے مسند رفعت رسول اللہ کی، صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا، کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمھاری واہ واہ۔ یہ چھؤں کلام بحر رمل مثمن محذوف میں ہیں۔ اس کے ارکان ہیں: ''فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن'' ۲ بار۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا۔ یہ نعت مستزاد کی صورت میں ہے۔اس کی بحر، بحر رمل مثمن مشکول ہے ۔ اس کے ارکان ہیں: ''فعلات فاعلاتن فعلات فاعلاتن'' ۲ بار۔

ایک بہتر استاذ فکر رضا کی روشنی میں

سرکار اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

''معلم کا فرض ہے کہ طلباء کو جو کچھ پڑھائے حقائق پر مبنی ہو، جھوٹ سے اجتناب کرے جھوٹی باتیں طالب علم کی فطرت پر بُرا اثر ڈالتی ہیں، معلم کا اخلاص و محبت کی دولت سے سرشار ہو، وطن سے محبت، اور تعمیرو ترقی کی لگن معلم کی گھٹی میں رچی بسی ہو، معلم کی شخصیت ایک نمونہ ہو تاکہ طلبہ اس کی پیروی میں منزل پاسکیں، تعلیم کے بارے میں معلم کے نظریات واضح اور مفید ہوں، طلباء میں خودداری اور خودشناسی کا جوہر پیدا کیا جائے اور وقت کی قدر و قیمت کا احساس دلایا جائے"

(رضا بک ریویو) صفحہ/38

حضرت امام غزالی حیات وخدمات

محمد سلمان رضا غوثی دہلی یونیورسٹی دہلی

اس کائنات گیتی پر کچھ ایسی ہستیاں جلوہ گر ہوئیں جن کی پوری زندگی کا مشن درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ دین مخلوق خدا کی خدمت اور اشاعتِ اسلام تھا انہیں میں ایک مبارک، محترم، باوقار وبا فیض اور ممتاز ومنفرد نام حجۃ الاسلام، مخدوم انام حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کا ہے جن کی ذات بابرکات آج پورے عالم میں محتاج تعارف نہیں آپ کا شمار ان قدسی صفات شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کا لمحہ لمحہ علوم دینیہ کی نشرو اشاعت، محبت الٰہی، ترویج اسلام اور تحریک عشقِ مصطفیٰ کے فروغ میں گزرا جن کی سانس کی ہر آمد ورفت سے اللہ ہو، کی صدائے دلنواز سنائی دیتی، دل کی ہر دھڑکن سے عشقِ رسول کی شعاعیں پھوٹتیں اور قلم کی ہر بوند سے علوم ومعارف کے دریا بہتے آپ کی بے مثال علمی خدمات اور زریں کارناموں کی وجہ سے پوری دنیا میں شہرت دوام اور مقبولیت عام حاصل ہوئی متقدمین ومعاصرین نے انہیں حجۃ الاسلام اور محی العلوم والدین کے معزز القاب سے یاد کیا۔عقائد واعمال کی اصلاح، فرقہ باطلہ کے خلاف جہاد باللسان اور فلاسفہ کے گمراہ کن نظریات کے خلاف قلمی معرکہ آرائیوں اور اس جیسے اہم علمی، تحقیقی، تجدیدی اور تبلیغی کارناموں نے آپ کو پانچویں صدی کے مجدد کی حیثیت سے متعارف کروایا آپ کی بلند پایہ شخصیت سے اسلام کو خوب خوب سربلندی حاصل ہوئی۔

ولادتِ باسعادت: آپ کی پیدائش طبرانی کے ایک متدین، باوقار، باشرع اور ذی حشم خاندان میں 45ہجری مطابق 1059 عیسوی میں ہوئی جو شہر طوس کا حصہ تھا۔

نام ونسب: نام محمد، کنیت ابوالحامد، القاب زین الدین اور حجۃ الاسلام ہے لیکن امام غزالی کے نام سے ایسی شہرت ملی کہ اصلی نام لوگوں کے درمیان کم متعارف ہے آپ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح ہے محمد بن محمد بن محمد بن احمد طوسی علیہ الرحمہ۔

آپ کے والد ماجد حضرت محمد نہایت شریف الطبع، پاکباز اور خاکسار آدمی تھے ہمیشہ آپ پر تصوف کا غلبہ رہتا اور دنیاوی لذات سے ہردم کنارہ کش رہتے صوف کات کر گھر بھر کی روزی روٹی کا انتظام کرتے اور اسی پر گزر بسر کرتے اور زیادہ تر فقہائے کرام، صوفیائے عظام اور مشائخ ذوی الاحترام کی خدمت میں حاضر ہوتے اتفاق سے آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی چنانچہ آپ ہمیشہ یہی دعا کرتے کہ مجھے ان فقہاء وصوفیہ کی طرح ایک فرزند نصیب فرما لہذا آپ کی دعا خدا کی بارگاہ میں قبول ہوئی اور خدا کی بارگاہ سے دو بیٹے ملے اور دونوں ہی اپنے عصر میں یکتائے روزگار اور نازشِ باغ وبہار ہوئے۔

غزالی کہنے کی تین وجہیں ہیں

آپ نے اپنے والد ماجد کے ساتھ کچھ دنوں تک سوت کاتنے کا کام کیا اس لیے غزالی کہے جانے لگے، یا آپ کے والد گرامی غزال کے تھے لہذا ان کی طرف نسبت کرتے ہوئے غزالی کہلائے اور تیسری وجہ خود فرماتے ہیں کہ میں اپنی بستی غزالہ کی طرف منسوب ہو کر غزالی ہوں۔

تعلیم وتربیت: آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن طوس میں ہی رہ کر حاصل کی آپ کی عمر مبارک دس سال کی ہوئی تو والد گرامی کا سایہ کرم سر سے رخصت ہو گیا اور آپ دونوں بھائی حضرت صوفی شیخ احمد بن محمد رازکانی کی سرپرستی میں آگئے انہوں نے بچپنے میں خود ہی پڑھایا پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے طوس کے مدرسہ میں داخل کیا اس کے بعد اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ برجان پہونچے اور حضرت شیخ ابو نصر اسماعیلی کی بارگاہ میں حاضری دی اور بہت ہی محنت وجانفشانی اور ذوق ولگن کے ساتھ حصول علم میں منہمک رہے یہاں سے نیشاپور پہونچے اور حضرت امام الحرمین کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ تہہ کیا اس وقت امام الحرمین مدرسہ نظامیہ نیشاپور کے مدرس اعلیٰ تھے بڑے پائے کے عالم اور صاحب فیض بزرگ تھے ان کی خدمت میں رہ کر علمی تشنگی بجھاتے رہے اور جی بھر کر استفادہ کیا اور ایک وقت ایسا آیا کہ آپ کا شمار زمانے کے جید فاضلوں میں ہونے لگا اور خود حضرت امام الحرمین کو آپ کی علمی گیرائی وگہرائی پر ناز تھا اور اپنے سارے تلامذہ پر انہیں فضیلت فوقیت دیتے اٹھائیس سال کی عمر شریف میں تمام علوم وفنون پر درک وبصیرت اور ملکہ وقدرت حاصل کر لی۔ فقہ، تفسیر، حدیث، بلاغت، علم کلام، تصوف، منطق، فلسفہ، ریاضی اور علم ہیئت وغیرہ جملہ فنون میں یکتائے روزگار اور نابغہ عصر تھے۔

تدریسی خدمات: جب آپ کے استاذ مکرم امام الحرمین کا وصال پر ملال ہو گیا تو وزیر نظام الملک جو علماء کا قدردان تھا اس کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اب ان کا جانشین کس کو بنایا جائے تو اس کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی چنانچہ نہایت عزت وتکریم کے ساتھ شاہی دربار میں بلایا استاذ محترم کی مسند صدارت آپ کے حوالے کی مگر اس پر فائز ہونے کے لیے ایک بہت بڑے امتحان سے گزرنا پڑا اور وہ یہ کہ بغداد میں موجود عظیم وجلیل علماء اور اصحاب فن سے مناظر ومباحثہ کر کے اپنی علمی عبقریت، فکری بصیرت اور تدریسی صلاحیت ثابت کرنی تھی اور یہ ثابت کر دکھایا پھر علی بن علی طبری کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد نظام الملک نے مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعلیٰ کے عہدے کے لئے آپ کو منتخب کیا اور 484 ہجری میں مدرسہ نظامیہ کے مدرس اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے اور آپ کی شہرت ومقبولیت کو دیکھ کر دور دور سے طلبہ اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے جوق در جوق خدمت میں حاضر ہونے لگے حضرت قاضی ابوبکر عربی کا بیان ہے کہ میں بغداد کی اس مجلسِ درس میں حاضر ہوا اور میں نے خود

دیکھا کہ چار چار سو صاحبان علم وفضل آپ کی درسگاہ میں موجود ہوتے اور آپ کے فیضانِ کرم سے سیراب ہوتے آپ کا یہ زمانہ درس وتدریس کا عہد زریں کہلاتا ہے فقہ، اصول، علم کلام اور حکمت کے موضوع پر بہت کچھ کتابیں اسی دور میں لکھی گئیں۔

تصنیفات : حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ نے فقہ، علم کلام، منطق، فلسفہ، علم بلاغت، علم تصوف اور دیگر علوم وفنون میں سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں مگر یہاں چند کتابوں کے نام درج کئے جارہے ہیں جس سے ان کی علمی بلندی اور قلم کا زور سمجھ میں آجائے گا۔

الوسیط المحیط، شفاء العلیل، معیار العلم، مقاصد الفلسفہ، الاقتصاد فی الاعتقاد، منہاج العابدین، احیاء العلوم، جواہر القران، اربعین، تلبیس ابلیس اور مکاشفۃ القلوب جیسی آفاقی کتابیں تحریر فرما کر علمی دنیا کے حسن میں اضافے کا باعث بنیں۔

حج وزیارت: جب آپ کی شہرتوں کا آفتاب نصف النہار پر تھا درس و تدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعے پورے عالمِ اسلام میں آپ کی علمی عظمت و جلالت کا ڈنکا بج رہا تھا کہ اچانک طبیعت میں انقلاب آیا، دل ادھر سے اچاٹ ہونے لگا، مدینہ کی جدائی کا غم ہر لمحہ ستانے لگا، یادرسول کی تڑپ ہردم تڑپانے لگی اور دیارحبیب کا منظر ہمیشہ نگاہوں میں گھومنے لگا تو 488 ہجری میں حج وزیارت کے پاکیزہ ارادے سے عازم مکہ ہوئے اور حج کے جملہ ارکان سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے روضہ اقدس پر حاضری دی اور پھر تشنہ روح کو قرار کی دولت نصیب ہوئی۔

دنیا سے بے رغبتی: حج وزیارت سے فراغت کے بعد دنیا سے مکمل دوری اختیار کرلی حزم واتقاء، سلوک ومعرفت اور احسان وعرفان میں تو پہلے ہی سے یکتائے زمانہ تھے حج وزیارت کی سعادتوں سے مشرف ہونے کے بعد پورے طور پر دنیا کو لات ماردی ملک شام پہونچے اور دمشق کی جامع مسجد میں اقامت پذیر ہوئے پھر بیت المقدس میں ایک طویل عرصہ گزارا بہت سے مقامات مقدسہ کی زیارت سے فیضیاب ہوئے اسکندریہ میں قیام کیا حجاز، بغداد اور نیشاپور پور کے درمیان سفر جاری رکھا اور اخیر میں اپنے وطن پہونچے اور گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر یا تو ذکرواذکار، تسبیح وتہلیل اور عبادت وریاضت میں مشغول رہتے یا کتابیں تصنیف فرماتے تھے۔

پانچویں صدی کے مجدد: آپ کے علمی کارناموں، خدمات دینیہ اور جملہ علوم وفنون پر دسترس کو دیکھتے ہوئے حضرت امام سبکی اور دیگر علمائے کبار نے پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا اور یہ لکھا۔

والخامس الحبر الامام محمد هو حجته الاسلام دون التردد

وصال پر ملال: 14/ جمادی الثانی 505 ہجری بروز دوشنبہ فجر کی نماز سے فارغ ہوکر اپنے چھوٹی بھائی حضرت احمد غزالی سے اپنا کفن منگوایا اور اسے بوسہ دے کر فرمایا "سمعا وطاعۃ" میں نے پیغام سنا اور بسر وچشم قبول کیا پھر قبلہ رو ہوکے پاؤں پھیلا دیا اور روح پاک باغِ جناں کی سیر کو نکل گئی ایران کے مشہور شاعر فردوسی کی قبر کے نزدیک دفن کیا گیا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

پڑوسیوں کے حقوق

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ھے کہ آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمھیں معلوم ھے کہ پڑوسی کا حق کیا ھے جب وہ تم سے مدد مانگے مدد کرو، قرض مانگے قرض دو، جب وہ محتاج ھو تو اس کی محتاجی دور کرو، جب بیمار ھو، عیادت کو، جب اسے خیر پھونچے تو مبارکباد یدو، جب مصیبت آئے تو تعزیت کرو، جب مرجائے تو جنازے کے ساتھ چلو، اور بغیر اجازت اپنی عمارت بلند مت کرو کہ اس کی ھوا روک دو اور اپنی ھانڈی سے اسے ایذا نہ دو مگر اس میں سے کچھ اسے بھی دو میوہ خریدو تو اس کے پاس بھی ھدیہ کرو قسم ھے اس کی جس کے ھاتھ میں میری جان ھے پورے طور پر پڑوسی کا حق ادا کرنے والے تھوڑے ھیں وھی ھیں جن پر اللہ تعالیٰ کی مھربانی ھے۔

غریب نواز کا مسلک تصوف اور امام احمد رضا

مولانا محمد شاہد القادری، کلکتہ

اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ﷺ کے حکم سے سلطان الھند عطائے رسول حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی حسن سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہندوستان تشریف لائے اور تعلیمات مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے سرشار کرنے کے لئے کئی لاکھ غیر مسلموں کو اپنی پاکیزہ زندگی سے متاثر کر کے مشرف باسلام کیا اور سلسلہ چشتیہ کی بنا ہندوستان میں رکھی۔

مسلک تصوف کے چاروں سلاسل یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ بافیض ہیں، ان میں سلسلہ قادریہ کو فوقیت حاصل ہے، چشتیہ مسلک تصوف کو سرکار غریب نواز قدس سرہ کی ذات طیبہ سے بہت فروغ ملا، ہندوستان میں بانی سلسلہ چشتیہ قرار پائے اور متحدہ ہندوستان مشائخ چشت کے فیوض و برکات سے سرشار ہوا۔

قطب الارشاد حضرت مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ الرضوان خاتم الاکابر سیدنا الشاہ سید آل رسول قادری مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیض کرم سے وابستہ تھے، اسی سرکار عالی جاہ سے نسبت غوثیت و چشتیت حاصل ہوئی، مرشد برحق پر غلبہ قادریت ہونے کے سبب حضرت محدث بریلوی بھی بحر قادری میں غوطہ زن رہا کرتے تھے، لیکن آپ کی ذات ستودہ صفات سے سلسلہ چشتیہ کا بھی فیضان مشائخ بلگرام شریف کے توسل سے جاری و ساری تھا، یہی سبب ہے کہ سرکار غریب نواز کی محبت اپنے لئے حرز جان سمجھتے تھے اور ان کی بارگاہ قدس کو بارگاہ صمدیت میں دعا کی مقبولیت بتایا کرتے تھے۔ آپ کا پورا خانوادہ قادریت و چشتیت کا منبع ہے اور فیض غریب نواز سے خود کو منور کئے ہوئے ہے۔

قطب الارشاد سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے جس قدر نسبت قادریت کو فروغ دینے میں تن من دھن کو نچھاور کیا، اسی طرح فروغ چشتیت میں بھی کوئی فروگزاشت نہ کی، بلکہ چشتی مسلک تصوف کی ترویج واشاعت میں بحیثیت امین انقلابی کردار ادا کیا اور اپنی تصانیف میں بھرپور ترجمانی کا حق ادا کیا، آئیے ایک سرسری نظر اس گوشے پر ڈالتے ہیں۔ قبل اس کے کہ سرکار غریب نواز کا مسلک تصوف بیان کیا جائے، تصوف کا تاریخی جائزہ لے لیا جائے۔

تصوف کا مادہ عربی زبان میں "صوف" ہے، اصطلاح میں اپنی زندگی کو صوفیانہ انداز کے لئے وقف کر دینے والے کو صوفی کہتے ہیں، تصوف کیا ہے؟ اس کے بارے میں حضرت علامہ عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: تصوف بس احکام شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے (طبقات الشافعیہ، ص:۴) حضرت عبداللہ محمد بن خفیف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی کریم ﷺ کی پیروی ہو" (ایضاً:۱۸)

تصوف کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟ بعض مؤرخین لکھتے ہیں "آٹھویں صدی کے آخر میں ایک شیعہ کیمیا گر جابر بن حیان نے اپنے نام کے ساتھ لفظ صوفی" استعمال کیا، اس کے فوراً بعد "صوفیہ" کی اصطلاح بھی کوفہ سے چلی، جو ایک جماعت کے معنوں میں استعمال ہوئی، دسویں صدی عیسوی میں یہ لفظ عراق اور خراسان میں سنی زاہدوں پر استعمال ہونے لگا، اس کے بعد تصوف سنی اسلام کا جز بن گیا (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص:۴۱۸) لیکن اسلام کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خلافت بنوعباس میں جب خلافت نے بادشاہت کی طرز پر بنوامیہ سے بھی زیادہ شان وشوکت کا روپ دھار لیا تو اس کے مقابلے میں بعض مسلم زاہدوں نے فقروفاقہ کی زندگی کو اپنایا تو اس طرز کو صوفیانہ طرز زندگی سے تعبیر کیا جانے لگا" (تصوف کے دو نامور صاحب کردار بزرگ، ص:۹)

یہ حقیقت ہے کہ بنوعباس کے دور میں امراء، حکماء میں دنیا داری نے جگہیں لے لی تھیں، خلافت راشدہ کے طرز سے ہٹ کر حکومت سازی کی جاری تھی، اللہ کے نیک بندوں پر یہ طریقہ کار گراں گزرنے لگا، بالآخر ان پاکباز ہستیوں نے ایک نئی راہ نکالی اور دنیاوی جاہ وحشم، مال طلبی اور حرص و طمع کو کبھی اپنی کنیز نہیں بنائی، بلکہ دنیا اور اہل دنیا سے لاتعلق ہو کر اپنی متاع حیات کو معبود حقیقی کی تعلیمات پر نچھاور کر دیا۔

تصوف طریقت کا دوسرا نام ہے اور طریقت اس راہ کا نام ہے جو بندے کو خدا تک پہنچا دے، آج ہمارے گردوپیش ماحول میں طریقت کے نام پر جاہل پیر حشرات الارض کی طرح نظر آرہے ہیں، ان کی زبان یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتی کہ ہم لوگ طریقت ومعرفت والے ہیں اور مولوی شریعت والے ہیں، ہمیں شریعت سے کیا مطلب؟ روزہ اور نماز کا ٹھیکہ مولوی حضرات لئے ہوئے ہیں، وہ نماز پڑھیں اور روزہ رکھیں۔ جبکہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

"اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانون بندگی کو پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا" (بہجۃ الاسرار:۵۰) جب کہ طریقت کے بارے میں حضرت شیخ محی الدین محمد عربی قدس سرہ فرماتے ہیں "اپنے نفس پر آداب شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بری عادت سے بچنے کی توفیق پائے، تمام واجبات وفرائض ٹھیک وقت سے ادا کرنے کا التزام رکھے" (فتوحات مکیہ، ج:۲، ص:۴۸۷)

اس اجمالی تاریخ کے بعد سرکار غریب نواز کا مسلک تصوف حضرت قطب الارشاد محدث بریلوی کی توضیحات کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

تعلیمات مرشد: سیدنا غریب نواز فرماتے ہیں "پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز، تسبیح اور اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے، تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے، کیوں کہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے، پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید

کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا'' (ہشت بہشت، ملفوظات غریب نواز، ص:۵، مطبوعہ شبیر برادرز، لاہور)

حضرت قطب الارشاد محدث بریلوی تعلیمات غریب نواز کی روشنی میں فرماتے ہیں:

''اس کی رضا کو اللہ کی رضا، اس کی ناخوشی کو اللہ کی ناخوشی جانے۔ جو وہ حکم دے کیوں نہ کہے، دیر نہ کرے، سب کاموں پر اسے تقدیم دے۔ اسے اپنے حق میں تمام اولیا زمانہ سے بہتر سمجھے'' (فتاویٰ رضویہ ،ج:۲۴، ص:۳۶۸، پور بندر)

عارف کسے کہتے ہیں: ۔سرکار غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا: عارف اس شخص کو کہتے ہیں کہ تمام جہان کو جانتا ہو اور عقل سے لاکھوں معنی پیدا کرسکتا ہو، اور محبت کے تمام دقائق کا جواب دے سکتا ہو، اور ہر وقت بحر باطن وحکمت میں تیرتا رہے، تاکہ اسرار الٰہی اور انوار الٰہی کے موتی نکالتا رہے، اور دیدہ ور جوہریوں کو پیش کرتا رہے، جب وہ اسے دیکھیں پسند کریں، ایسا شخص بیشک عارف ہے۔

اور عارف کی پہچان یوں بیان کرتے ہیں ''عارف ہر وقت ولولۂ عشق میں مبتلا رہتا ہے، اور قدرت خدا کی آفرینش میں متحیر رہتا ہے، اگر کھڑا ہے تو بھی دوست کے وہم میں، اور اگر بیٹھا ہے تو بھی دوست کا ذکر کرتا ہے، اگر سویا ہے تو دوست کے خیال میں متحیر ہے، اگر جاگتا ہے تو بھی دوست کے حجابِ عظمت کے گرد طواف کرتا ہے'' (ہشت بہشت، ملفوظات غریب نواز، ص:۷)

عارف باللہ یعنی اغواث، اقطاب، ابدال، افراد کے حوالے سے سرکار غریب نواز نے جو پہچان بتائی ہے، سیدنا قطب الارشاد امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے قدر تفصیل اس کی وضاحت اس طور فرمائی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

{۱} اولیاء کی پہچان: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے: اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جن کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے (الملفوظ، ح:۴)

{۲} صوفی کی پہچان: صوفی وہ ہے کہ اپنی خواہشوں، اپنی مرادوں کو شریعت کے تابع کرے، بے اتباع شرع کسی خواہش پر نہ لگے کہ وہ ہوس اور نفسانی خواہشوں کی خاطر شرع سے دست بردار ہو، اور اتباع شریعت سے آزاد ہو، شریعت غذا ہے اور طریقت قوت، جب غذا ترک کی جائے گی قوت آپ زوال پائے گی (کشف الخفا، ص:۳۱۸)

{۳} ابدال کی پہچان: اس مقدس گروہ کی پہچان کے لئے احادیث طیبہ کی روشنی میں حضرت قطب الارشاد نے کئی حدیثیں نقل کی ہیں، ان میں صرف دو حدیثوں کو نقل کیا جاتا ہے۔

۱) سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: ابدال شام میں ہیں، انہیں کی برکت سے (امت مسلمہ) مدد پاتے ہیں اور انہیں کے وسیلہ سے رزق۔

۲) انہیں ۳۵۶ اولیا کے ذریعہ خلق کی حیات، موت، مینہ کا برسنا، نباتات کا اگنا، بلاؤں کا دفع ہونا ہوا کرتا ہے (الامن والعلی، رضا اکیڈمی ممبئی)

{۴} افراد کی پہچان: افراد اجلۂ اولیاء کرام سے ہوتے ہیں، ولایت کے درجات ہیں، غوثیت کے بعد فردیت (امام احمد رضا اور تصوف، ص:۲۳۵)

{۵} منصب غوثیت: مرتبۂ نبوت کے بعد غوثیت ایک بڑا مرتبہ اور عظیم منصب ہے، ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں، غوث کا لقب عبد اللہ ہوتا ہے، اور وزیر دست راست ''عبد الرب'' اور وزیر دست چپ ''عبد الملک'' اس سلطنت میں وزیر چپ، وزیر راست سے اعلیٰ ہوتا ہے، بخلاف سلطنت دنیا اس لئے کہ یہ سلطنت قلب ہے اور دل جانب چپ (الملفوظ، اول)

شریعت/طریقت/حقیقت: راہ راست پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے کہ جب لوگ شریعت میں ثابت قدم ہوجاتے ہیں، اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں، اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے، تو اکثر وہ دوسرے مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں، جسے طریقت کہتے ہیں، اس کے بعد جب مع شرائط طریقت میں ثابت قدم ہوتے ہیں، اور تمام احکام شریعت بلا کم و کاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں، جب معرفت کو پہنچتے ہیں، تو شناخت وشناسائی کا مقام آجاتا ہے، جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہوجاتے ہیں تو درجہ حقیقت کو پہنچتے ہیں، اس مرتبے پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں (ہشت بہشت ص:۹)

سیدنا غریب نواز علیہ الرحمہ کے فرمان کی ترجمانی کرتے ہوئے حضرت قطب الارشاد فرماتے ہیں:

''شریعت عمارت ہے، اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہر وہ دیوار ہیں کہ اس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے۔'' (مقال عرفا)

حضرت قطب الارشاد قدس سرہ شریعت، طریقت، معرفت اور حقیقت کو جامع انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

''شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت باہم اصلاً کوئی تخالف نہیں، اس کا مدعی اگر بے سمجھے کہے تو نرا جاہل ہے اور اگر سمجھ کر کہے تو گمراہ بددین ہے۔

شریعت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال ہیں
طریقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال ہیں
حقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال ہیں
معرفت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم بے مثال ہیں''

(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۱، ص:۴۶۰، پور بندر)

غیر مقبول نماز: لیکن جو نماز کو بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے، جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں، آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نماز کے منہ پر دے مارو، پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے، جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا، خدا تجھے ضائع کرے۔

(ہشت بہشت ص:۱۰)

حضرت قطب الارشاد محدث بریلوی اسی تعلیم کے تحت حدیث پاک نقل کرتے ہیں:

''حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے بندوں پر فرض کی ہیں، جو انہیں بجالائے اور ان کے حق کو ہلکا جان کر ان میں سے کچھ ضائع نہ کرے، اللہ تعالیٰ کے پاس عہد ہو کہ اسے جنت میں داخل فرمائے اور جو

انہیں بجا نہ لائے اس کے لئے اللہ کے پاس عہد نہیں، چاہے اسے عذاب کرے، چاہے اسے جنت میں داخل کرے'' (فتاوی رضویہ ،ج:۴،ص:۸۷۔قدیم)

نماز دین کا ستون ہے: اے درویش! نماز دین کا رکن ہے، اور رکن ستون ہوتا ہے۔ پس جب ستون قائم ہوگا تو گھر بھی قائم ہوگا، جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑے گی، چونکہ اسلام اور دین کے لئے نماز بمنزلہ ستون ہے، جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع، سجود میں خلل آئے گا تو حقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے (ہشت بہشت ص:۱۱)

سرکار غریب نواز رضی اللہ عنہ کے اسی فرمان کو مزید مستحکم کرنے کے لئے سیدی قطب الارشاد رحمۃ اللہ علیہ ایک حدیث پاک نقل کرتے ہیں:

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں ہیں کہ جو انہیں ایمان کے ساتھ لائے گا جنت میں جائے گا، جو پنجگانہ نمازوں کی، ان کے وضو، ان کے رکوع، ان کے سجود، ان کے اوقات پر محافظت کرے اور روزہ و حج و زکاۃ و غسل جنابت بجالائے'' (فتاویٰ رضویہ، ج:۲،ص:۳۷۷،قدیم)

حقیقی صادق: محبت میں صادق وہ ہوتا ہے کہ جب دوست سے محبت آئے تو رغبت سے اسے قبول کرے (مزید فرمایا) جب اسے رنج و الم پہنچے تو وہ اسے دوست کے مشاہدے میں بھول جائے (ہشت بہشت، ص:۱۴۔۱۵)

حضرت قطب الارشاد محدث بریلوی علیہ الرحمہ حقیقی صادق کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:

''حبیب وہ جس سے محبت ہو، اور محبت کو ہر دو حاشیہ محب و محبوب اور دونوں کے درمیان کی نسبت و اضافت سے چارہ نہیں، جب میں ہمہ تن فانی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب و رویت و عدم رویت کو کون سمجھے اور ارادہ و چاہت کدھر سے آئے، لاجرم اس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی''
(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۶،ص:۵۶۶، پوربندر)

قرآن مجید کی تلاوت: قرآن شریف کو دیکھنا عبادت ہے، اس لئے کہ شرح اولیا میں، میں نے لکھا دیکھا ہے جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے دو ثواب دو۔ ایک قرآن شریف دیکھنے کا اور دوسرا قرآن شریف پڑھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں، اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔ (ص:۲۰)

حضرت قطب الارشاد محدث بریلوی علیہ الرحمہ نے سرکار غریب نواز کی اس تعلیم کی روشنی اولیا کرام سے منسوب کئی واقعات فتاویٰ رضویہ میں نقل فرمائے ہیں کہ حضرات اولیا کس قدر قرآن مقدس کی کثرت تلاوت سے خود کو مشرف کیا کرتے تھے، ملاحظہ کریں:

{۱} بعض مشائخ سے منقول ہے کہ شیخ موسیٰ سدرانی نے حجر اسود سے دروازۂ کعبہ کے سامنے پہنچنے تک قرآن عظیم کو پڑھ لیا، اور سننے والے نے شروع سے آخر تک ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف کو سنا (انباء الحیٰ، حاشیہ الدولۃ المکیہ، ص:۸۱، پوربندر)

{۲} عبد الغنی نابلسی فرماتے ہیں: نجم اصبہانی نے یمن کے ایک آدمی کو دیکھا کہ اس طواف کعبہ کے ایک چکر یا سات چکروں میں پورے قرآن عظیم کی تلاوت کر لی (انباء الحیٰ، حاشیۃ الدولۃ المکیہ، ص:۸۱، پوربندر)

{۳} امام قسطلانی فرماتے ہیں: میں نے ابو طاہر کو ۸۶۷ھ میں بیت المقدس کے اندر دیکھا اور وہیں پر ان سے سنا کہ رات اور دن میں دس سے زیادہ قرآن مقدس ختم کیا کرتے تھے (انباء الحیٰ، حاشیۃ الدولۃ المکیہ، ص:۸۰، پوربندر)

عظمت خانۂ کعبہ: سرکار غریب نواز فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا، وہ عبادت میں داخل ہوگا، اس کی زیارت سے ہزار سال کی عبادت اور حج کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، اور اولیا کا درجہ اسے نصیب ہوگا (ہشت بہشت ص:۲۲)

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ بھی شان خانہ کعبہ بیان کرتے ہوئے حدیث نقل فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بیشک کعبہ روز قیامت یوں اٹھایا جائے گا جیسے شب زفاف دلہن کو دولہا کی طرف لے جاتے ہیں، تمام اہلسنت جنہوں نے حج مقبول کیا اس کے پردوں سے لپٹے ہوئے اس کے گرد دوڑتے ہونگے، یہاں تک کہ کعبہ اور اس کے ساتھ یہ داخل جنت ہونگے'' (فتاویٰ رضویہ، ج:۶،ص:۲۰۱، قدیم)

پیر کو دیکھنا: اپنے پیر کو دیکھنا اور اس کی خدمت کرنا ہے، میں نے معرفۃ المریدین میں لکھا دیکھا ہے ''شیخ عثمان ہارونی فرماتے ہیں: جو شخص اپنے پیر کی خدمت کما حقہ بجالائے اللہ تعالیٰ بہشت میں مروارید ہزار محل اسے عنایت کرے گا، اور ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا (ہشت بہشت، ص:۲۳)

اسی تعلیم کے پیش نظر امام احمد رضا لکھتے ہیں: اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے، مال، اولاد جان سب اس پر تصدق کرنے کو تیار رہے، جو وہ پوچھے نہایت آرام آواز سے بکمال ادب بتا کر جلد خاموش ہو جائے، اس کے حضور بات نہ کرے ہنسنا تو بڑی چیز ہے، اس کے دوست کا دوست، اس کے دشمن کا دشمن رہے۔
(فتاویٰ رضویہ، ج:۲۴،ص:۳۶۸، پوربندر)

وحدۃ الوجود: صوفیا کرام اور اہل عرفان ''لا موجود الا اللّٰہ'' کے قائل ہوتے ہیں، ان کی نظر میں خدا کے سوا سب معدوم ہیں، موجود وہی ذات احد ہے۔ سیدنا غریب نواز تاحیات وحدۃ الوجود کی حقانیت کے معتقد رہے، اور اپنے خلفا کو اسی کا درس دیا (دلیل العارفین)

حضرت قطب الارشاد محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کا مسئلہ وحدۃ الوجود میں سیدنا غریب نواز کے مسلک پر قائم تھے، جیسا کہ آپ لکھتے ہیں:

وجود ہستی بالذات واجب تعالیٰ کے لئے ہے، اس کے سوا جتنی موجودات ہیں، سب اسی کی ظل پر تو ہیں، تو حقیقۃً وجود ایک ہی ٹھہرا (الملفوظ)

مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک سے خاص ہے، وحدت وجود کی جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں، یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد، باقی سب ظاہر ہیں کہ اپنی ذات میں اصلاً وجود ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے (کشف حقائق)

حضور ملک العلماء اور اصلاح معاشرہ

محمد قمر الزماں مصباحی: مدیر اعلیٰ سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت مظفر پور، بہار

بہار کی زمین نہایت زرخیز واقع ہوئی ہے جہاں کی مٹی سے صاحب فضل وکمال، جامع شریعت وطریقت، ارباب فکر وبصیرت، نابغہ عصر اور دانائے روزگار شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے ادبی، علمی، مذہبی، روحانی، فقہی، سماجی اور معاشرتی ہر شعبے میں کارہائے نمایاں انجام دیں انہیں میں ایک معتبر، محترم اور روشن ومنور نام تلمیذ وخلیفہ اجل امام احمد رضا قادری ملک العلماء حضرت علامہ مفتی سید شاہ ظفر الدین احمد فاضل بہاری کا ہے

10 / محرم الحرام 1303 ہجری مطابق 19 / اکتوبر 1885 عیسوی کورسول پور میجرہ موجودہ ضلع نالندہ میں پیدا ہوئے والد ماجد حضرت سید عبد الرزاق اشرفی علیہ الرحمہ نے اپنے مرشد گرامی حضرت سید شاہ چاند بیتھوی قدس سرہ سے 1307 ہجری میں بسم اللہ خوانی کی مبارک رسم ادا کروائی۔ اپنی نانیہال بین کے مدرسہ غوثیہ حنفیہ میں مولانا معین الدین اشرف، مولانا بدرالدین اشرف اور مولانا معین الدین از ہر سے مشکوۃ شریف، جلالین شریف اور درس نظامی کی دیگر کتابیں پڑھیں اس کے بعد حضرت قاضی عبد الوحید فردوسی لودی کٹرہ رئیس عظیم آباد پٹنہ کے مدرسہ حنفیہ پٹنہ آگئے۔ وہاں سے کانپور، کانپور سے پیلی بھیت مدرستہ الحدیث میں پہونچ کر حضور محدث سورتی کے درس میں شریک ہوکر حدیث پاک کی سماعت وقرات کی 1321 ہجری میں اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری محدث بریلوی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر دی اور آپ ہی کی کاوشوں سے 1322 ہجری میں مدرسہ منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا جس کے پہلے طالب علم آپ اور مولانا عبدالرشید عظیم آبادی ہوئے اور آپ ہی دونوں طلبہ کو اعلیٰ حضرت نے عبدالرحیم یار خان کے مکان پر بخاری شریف کا سبق پڑھا کر مدرسہ کا افتتاح فرمایا اور حضور استاذ زمن حضرت علامہ مفتی حسن رضا حسن بریلوی قدس سرہ نے تاریخی نام "منظر اسلام" تجویز فرمایا یہاں تین سال تک مولانا حکیم سید محمد امیر اللہ شاہ بریلوی، مولانا حامد حسن رامپوری، مولانا بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا لطف اللہ علی گڑھی جیسے نابغہ روزگار اساتذہ کرام سے اکتساب فن کرتے رہے اور بخاری شریف، اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح تشریح الافلاک، شرح چغمنی علم توقیت وجفر، عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ کا خصوصی درس حضور اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا 1325 ہجری ماہ شعبان المعظم میں خانقاہ رودولی شریف کے صاحب سجادہ مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہ کے مبارک ہاتھوں آپ کے سر پر فضیلت کی دستار سجائی گئی اور اسی موقع سے سرکار اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اجازت وخلافت اور" فاضل بہاری" و"ملک العلماء" جیسے معلیٰ خطاب سے نوازا اور اسی سال ماہِ شوال المکرم سے اپنے مادر علمی میں تدریسی زندگی کا آغاز کیا 1913 عیسوی میں مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ کا قیام عمل میں آیا تو آپ علم حدیث اور فقہ وتفسیر کے استاذ مقرر ہوئے 1915 میں خانقاہ کبیریہ سہسرام کے منصب صدارت کو زینت بخشی 1920 میں دوبارہ شمس الہدیٰ پٹنہ آگئے 1950 میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوکر 1951 میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار بحیثیتِ صدر مدرس تدریسی خدمات پر مامور ہوئے اس طرح آپ کا تدریسی، تصنیفی، دعوتی، تبلیغی اور قلمی سفر 1907 سے شروع ہوکر 1962 پر ختم ہوتا ہے اور یوں آپ کی دینی، مذہبی، معاشرتی اور علمی خدمات کا دائرہ نصف صدی سے زیادہ پر محیط ہے ویسے تو تصنیف وتالیف کا ذوق اٹھارہ سال کی عمر سے ہی آپ کے اندر جاگ اُٹھا تھا اور بخت رسا کی ارجمندی کہئے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے علم وشعور، فکر وآگہی اور قلمی طنطنہ کی چھاؤنی میسر آ گئی یہ سونے پر سوہاگہ کا کام کر گیا یہی وجہ ہے کہ زبان وبیان، لب ولہجہ، تحریر وتقریر، تصنیف وتالیف، ترجمہ وتحشیہ اور فتاویٰ سے رنگ رضا واضح طور پر نمایاں ہے تصنیفی دنیا میں آپ کی تحریر کے وقار واعتبار کا اعتراف ہر طبقے کے لوگوں کو ہے سوانح نگاری ہو یا فقہ وافتا، فکر واعتقاد کی بحث ہو یا اصلاح عمل کی بات، ہر جگہ علمی صداقت، قلمی گہرائی، نثری لطافت اور دلائل کی فراوانی سطر سطر سے جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے وہیں بے تکلفی، سادگی اور برجستگی کا عنصر بھی گہرا نظر آتا ہے جب باطل عقیدے کے رد وطرد پر قلم اٹھاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قلم کی بوند بوند سے جلال فاروقی برس رہا ہے اور جب سماج اور معاشرے کے سدھار کی بات کرتے ہیں تو لگتا ہے کہ سنجیدہ لب و لہجہ کے زیریں لہروں سے کوئی زندہ دل اسلام کا سچا داعی اور مبلغ مسکرا رہا ہے حرف حرف سے اصلاح کا نور جھلک رہا ہے، ہمدردی کے پھول جھڑ رہے ہیں، شگفتوں کی کلیاں تبسم ریز ہوں اور ایک اچھے، سچے اور پر درد وپر سوز داعی کا منصب یہی ہے۔ آپ نے کبھی وعظ ونصیحت کے ذریعہ لوگوں میں حسنِ عمل کی جوت جگائی، کبھی درسگاہ میں بیٹھ کر طالبان علوم نبویہ کے سینوں کو دین و شریعت کے اجالے بخشے، کبھی مسند ارشاد وہدایت پر جلوہ گر ہوکر طہارت باطنی کا سامان مہیا کیا اور کبھی قلمی معرکہ آرائی کے ذریعہ معاشرے میں پھیلی برائیوں کا خاتمہ فرمایا۔

ظفر الدین الجید، شکست سفاہت اور گنجینہ مناظرہ ان تینوں کتابوں کا تعلق اصلاح فکر واعتقاد سے ہے 1947 میں جب ملک کی آزادی کا آفتاب طلوع ہوا وہیں صبح کے اگتے سورج کے بطن سے ہجرت کی سیاہ رات بھی نمودار ہوئی پورے ملک میں ظلم وستم کی کالی کالی بدلیاں چھا گئیں، محافظ ڈاکو بن گئے، لاشیں خاک وخون میں تڑپنے لگیں آخر کار لوگ اپنا وطن چھوڑ کر پاکستان جانے لگے ایسے روح فرساں اور خوف ناک حالات میں ترک وطن کرنے والوں کے خلاف "سد الفرار" کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور اپنا ملک

چھوڑ کر پاکستان جانے والوں سے کہا کہ یہ ہجرت نہیں فرار ہے اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں اور ایک دردمند دل کی صدائے احتجاج کو آپ بھی سنیں

''آپ خوف ہراس سے بھاگ کر اپنے اسلاف کے کارناموں پر پانی پھیر رہے ہیں، اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے ذلیل وخوار کر رہے ہیں، مسلمانوں کو جو قلت میں ہیں ان کو اقلیت در اقلیت میں مبتلا کر رہے ہیں۔ کیا آپ کی غیرت اس کی متقاضی ہے کہ آپ کے آباء و اجداد نے دارالکفر میں آکر اسلام کا چراغ روشن کر کے خدا یہاں سرخروئی حاصل کی تھی اور آپ اپنے اس فعل سے دارلاسلام سے اسلام کا چراغ بجھا کر اس کو دارالکفر بنا رہے ہیں، کیا آپ کی غیرت اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ مساجد جہاں آپ اور آپ کے آباء واجدادا اپنی پیشانیاں گھسا کرتے تھے ان کو ویران کر کے جائیں، کیا آپ کی غیرت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ بزرگوں کے مزارات جن پر صندل لگا کر اپنی سعادت اور قلب و ایمان کی ٹھنڈک محسوس کرتے رہے بھاگ کر ان کو کفار و مشرکین کی پامالی اور تذلیل کے لئے چھوڑ جائیں کہ ان کے جانور انہیں ناپاک کریں'' (تذکرہ ملک العلماء، ص930)

آج سے تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل گاؤں، دیہات اور قصبات میں علماء کی کمی کی وجہ سے کم خواندہ لوگ مولود شریف کی محافل میں بلائے جاتے اور موضوع وغیر مستند روایات پڑھتے جس سے مجلس شریف کا اصل عرفان رخصت ہو جاتا انہیں حالات کے تناظر میں حضرت شاہ ارزاں علیہ الرحمہ کے صاحب سجادہ حضرت سید شاہ حامد حسین قدس سرہ کی فرمائش پر معتبر اور مستند روایات سے آراستہ ''میلاد رضوی'' کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی جس کی خوب خوب پذیرائی ہوئی اور معاشرے کی اصلاح میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا۔ پورے پٹنہ شہر میں ''درس قرآن'' کی شروعات آپ نے فرمائی جس کا مقصد وحید لوگوں کو قرآن وسنت سے قریب کرنا، ان کے اندر ایمانی حرارت وحدت پیدا کرنا، غیر شرعی حرکتوں سے باز رکھنا اور دلوں کو محبت رسول کی خوشبو سے معطر کرنا مقصود تھا اور آپ اپنے اس مشن میں خوب کامیاب رہے عوام الناس سے لے کر پڑھا لکھا طبقہ بھی اسلام سے قریب ہوتا چلا گیا۔

آج کل تعزیہ داری میں جو خرافات ہوتے ہیں شریعت مصطفوی ان بے ہودہ رسموں کی قطعی اجازت نہیں دیتی جب آپ سے تعزیہ بنانے، مرثیہ پڑھنے اور اس کے سامنے فاتحہ دینے کے بارے میں استفسار ہوا تو آپ نے تحریر فرمایا

''اعزیہ داری قطعاً بدعت و ناجائز وحرام ہے ہاں روضہ اقدس حضور سید الشہداء کے صحیح نقشے بقصد تبرک بے آمیزش منہیات اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں ذکر شہادت شریف نظم ہو یا نثر جب کہ روایت صحیح مقبولہ سے ہو اور منکرات شرعیہ مثل کلماتِ توہین انبیاء و مرسلین، ملائکہ و مقربین، اہل بیت طاہرین وصلحائے مکرمین وغیرہ محرکات سے خالی ہو بلاشبہ جائز و مستحسن وموجب ثواب ونزول رحمت وہاب ہے اور اگر تعزیہ میں پری یا براق وغیرہ کی تصویریں ہوں تو حرام وگناہ ہے یہ مرثیہ کہ رائج ہے مطلقاً حرام ہے ان کا پڑھنا، سننا اور سینہ کوبی و ماتم ونوحہ سب حرام ہیں حدیث میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن المراثی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منع فرمایا مرثیوں سے (فتاویٰ ملک العلماء ص464)

اصلاح معاشرہ اور ایمان وعقیدہ کی درستگی کے تعلق سے آپ کی تصانیف میں وافر مقدار میں مواد موجود ہیں اور اس موضوع پر باضابط ایک ضخیم کتاب مرتب کی جاسکتی ہے خدائے واحد علیم وخبیر سے التجا ہے کہ فقیر قادری کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے اور حضرت ملک العلماء کی تربت اطہر پر اپنی رحمتوں کے پھول برسائے آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ التسلیم

اپنا تماشائی ہے

پیار اشکوں سے ہے اور غم سے شناسائی ہے		ہم نے ہر حال میں جینے کی قسم کھائی ہے
اے محبت ترا احساں ہے پذیرائی ہے		تونے وہ درد دیا جان پہ بن آئی ہے
تن پہ زخموں کے نشانات لئے پھرتے ہیں		ہم نے ناکردہ گناہوں کی سزا پائی ہے
دیکھ کر حالت گل ایسا گماں ہوتا ہے		یہ خزاں اب کے بہ انداز بہار آئی ہے
وقت آسودگی کل تک تھا جو سائے کی طرح		وقت مشکل وہی آج اپنا تماشائی ہے
ہم جہاں ہوش سے بے گانہ ہوئے تھے ساجد		اپنا دل پھر اسی کوچے کا تمنائی ہے

ساجد اثارسی مہاراشٹر

حضور حافظ ملت یادوں کے افق سے

محمد سلیم الزماں نوری، رکن ادارہ لوح وقلم، سعد پورہ، مظفر پور

اس نیلگوں آسمان تلے اور سرسبز وشاداب زمین کے اوپر کچھ ایسی عہد ساز، پاکباز، دلنواز، انقلاب آفریں اور عبقری شخصیات نے جنم لیا جن کا وجود تاریک راہوں میں حق وہدایت کا اجالا، پریشانیوں میں سحاب کرم، ارشاد وسلوک کی دلیل، علم وتقویٰ کی پہچان اور شرافت وسعادت کا معیار ومنہاج رہا ہے انہیں صالحین میں جلالت العلم امام العلماء حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی ثم مبارک پوری قدس سرہ کی پرنور ذات گرامی ہے

اتر پردیش کے تاریخی شہر مرادآباد کے ایک گاؤں بھوجپور میں 1313 ہجری مطابق 1894 میں دوشنبہ کے دن عالم آرائے دنیا ہوئے۔ گھر خاندان کی فضا اسلامی تعلیمات، شرعی معمولات اور دینی کمالات کی خوشبوؤں سے معطر تھی آپ بھی انہیں نکہتوں میں نہانے لگے والد ماجد سے ناظرہ اور حفظ قرآن مقدس کی سعادت حاصل کی، درجہ چہارم تک اردو اسکول میں پڑھی اور ابتدائی فارسی بھی گاؤں ہی کے مولوی عبدالمجید اور حکیم نور بخش اللہ صاحبان سے پڑھی۔

1339 ہجری میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں داخلہ لیا اور تین سالوں تک صدرالافاضل حضرت مولانا سید شاہ نعیم الدین مرادآبادی ودیگر اساتذہ سے شرح جامی، قطبی اور درس کی بنیادی کتابوں کو خوب محنت ولگن اور عرق ریزی کے ساتھ پڑھتے رہے اسی دوران مرادآباد میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برصغیر کے اکابر علماء ومشائخ کے علاوہ حضور صدرالشریعہ بدرالطریقہ حضرت مولانا شاہ امجد علی اعظمی قدس سرہ کی آمد ہوئی حضور حافظ ملت نے حضرت صدرالشریعہ سے حصول علم کے تعلق سے اپنی خواہش ظاہر کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اجمیر معلیٰ آجاؤ پڑھادوں گا 1342ھ میں آپ دارالعلوم معینیہ عثمانیہ دارالخیر اجمیر مقدس کے لئے روانہ ہوئے اور پورے انہماک کے ساتھ حصول علم میں لگ گئے اور اپنے استاذ محترم سے عمل کے ساتھ ان کے کردار وعمل سے بھی نور کشید کرتے رہے۔

جب حضرت صدرالشریعہ علیہ الرحمہ اجمیر معلیٰ سے بریلی شریف آگئے تو آپ بھی امین شریعت حضرت مولانا شاہ رفاقت حسین صاحب، صدرالعلماء حضرت مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی صاحب، شمس العلماء حضرت مولانا شاہ شمس الدین صاحب، مجاہد ملت حضرت مولانا شاہ حبیب الرحمن صاحب علیہم الرحمہ وغیرہ جیسے کئی منتہی طلبہ کے ہمراہ بریلی شریف آگئے اور منظر اسلام سے انہیں اعاظم الرجال شخصیات کے ساتھ آپ کی بھی دستار فضیلت 1352ھ مطابق 1932ء میں ہوئی۔

اور اسی سن میں ۲/ ذی قعدہ کو اپنے مربی ومحسن استاذ جلیل اور مرشد اجازت حضور صدرالشریعہ علیہ الرحمہ والرضوان کے حکم سے مبارکپور تشریف لائے آپ خود فرماتے ہیں شوال 1355ھ میں حضرت صدرالشریعہ قدس سرہ نے خط بھیج کر مجھے اپنے وطن سے بریلی شریف بلایا خط ملتے ہی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا فرمانے لگے میرا ضلع بالکل خراب ہوگیا دیوبندیت بڑھ رہی ہے اس لئے میں آپ کو دین کی خدمت کے لیے بھیج رہا ہوں میں نے عرض کیا حضور میں ملازمت نہیں کرنا چاہتا۔فرمایا میں نے آپ سے ملازمت کے لئے کب کہا میں تو دین کی خدمت کے لیے کہہ رہا ہوں۔آپ ملازمت سمجھ کر جائیے بھی نہیں میں چپ ہوگیا تو فرمانے لگے میں آپ کو دین کی خدمت کے لیے مبارکپور بھیج رہا ہوں جائیے۔میں چلا آیا۔

یہ وہی مدرسہ اشرفیہ ہے جس کے بانی مجدد اشرفیت، شبیہ غوث اعظم عالم ربانی حضرت مولانا سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی علیہ الرحمہ ہیں آپ نے اس مدرسہ کی باگ وڈور اپنے ہاتھ میں لیا اور پورے اخلاص وللّٰہیت، عزم واستقامت، حددرجہ دیانت اور عالمانہ کروفر کے ساتھ درس وتدریس میں مشغول ہوگئے چند ہی دنوں میں آپ کی تدریسی صلاحیتوں کا غلغلہ بلند ہونے لگا ادھر کردار کی شفافیت نے پورے قصبہ پر اپنا رنگ جمانا شروع کردیا طالبان علوم نبویہ کا ایک ہجوم اس میکدہ علم وعرفان کے گرد امنڈ آیا اور آپ ہی کی جدوجہد، سعی پیہم، جماعتی شعور، جذبہ خیر، دینی امنگ اور مخلصانہ کوششوں سے مدرسہ اشرفیہ نے دارالعلوم اشرفیہ اور پھر الجامعہ الاشرفیہ تک کا تعلیمی، تعمیری اور ترقیاتی سفر نہایت برق رفتاری سے طے کیا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا بیک وقت مدبر، منتظم، محدث، مفسر، خطیب، مفتی، بہترین مدرس، پرسوز مبلغ اور مصنف سبھی کچھ تھے۔

تصنیف وتالیف میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھا مختلف موضوعات پر آپ کی تحریر کردہ کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔

(1) معارف حدیث (2) ارشاد القرآن (3) الارشاد (4) المصباح الجدید (5) العذاب الشدید (6) انباء الغیب (7) فرقہ ناجیہ (8) فتاویٰ عزیزیہ (9) حاشیہ شرح مرقات وغیرہ

آپ نے اپنی درسگاہ فیض سے ہزاروں طلبہ پیدا کئے جو اپنے نام اور کام دونوں اعتبار سے اہم ہیں اور اپنی خدمات جلیلہ سے ایک عالم کو سیراب کررہے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ آسمان فضل وکمال کا روشن مینار ہے

قدوۃ العلما حضرت مولانا شاہ حافظ عبدالرؤف صاحب بلیاوی، قائد اہلسنت رئیس القلم علامہ ارشدالقادری، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی، بحرالعلوم علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی، خطیب البراہین حضرت مولانا صوفی محمد نظام الدین بستوی

،بانی دار العلوم امجدیہ حضرت علامہ ظفر علی نعمانی، ادیب اہلسنت مفتی مجیب الاسلام اعظمی، مولانا بدر الاقادری ہالینڈ علیہم الرحمہ ممتاز الفقہا محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، حضرت علامہ عبد الشکور صاحب گیاوی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، نصیر ملت حضرت علامہ نصیر الدین صاحب عزیزی، خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی، مفکر اسلام علامہ محمد قمر الزماں اعظمی مصباحی لندن، رئیس التحریر علامہ یٰسین اختر مصباحی، ممتاز العلما حضرت علامہ مجاہد حسین مصباحی الہ آباد حضرت علامہ عبد المبین نعمانی کے اسماء خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کو اعلیٰ حضرت مولانا سید شاہ اشرفی میاں کچھوچھوی قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل ہے انہوں نے اپنے حلقہ ارادت میں قبول کرنے کے بعد اجازت وخلافت کی دولت سے بھی نوازا اور اپنے استاذ عالی مرتبت حضرت صدر الشریعہ امجد علی قادری علیہ الرحمہ سے بھی آپ کو خلافت واجازت حاصل ہے

آپ نے تقریباً 84 /سال کی عمر شریف پائی اور یکم جمادی الاخری 1396ھ مطابق 31 مئی 1976ء بروز دوشنبہ جنت الفردوس کی راہ لی اور الجامعۃ الاشرفیہ کا چمنستان علم ودانش آپ کا آخری مسکن بنا نور اللہ مرقدہ

جس نے پیدا کئے کتنے لعل وگہر
حافظ دین وملت پہ لاکھوں سلام

رفعتِ خیال بڑھا

انا فروخت نہ کر یوں نہ عرض حال بڑھا
ہر اک در پہ نہ تو کاسہ سوال بڑھا

ہر اک سمت ہے پھیلا غبارِ بے ہنری
یہی ہے وقت کہ تو کشور کمال بڑھا

یہ بوند بوند تبسم کا سلسلہ مت توڑ
نواح شب میں چراغوں کا تو جلال بڑھا

قدم قدم پہ تری نفرتیں تلاش میں ہیں
خلوص مندوں میں کچھ وقفہ وصال بڑھا

تمام لوگ ہی تحریر درد پڑھ لیں گے
ہنسی لبوں پہ سجا رونق جمال بڑھا

حبیب ڈھونڈ سفر کے لیے نئی سمتیں
بقدر طبع غزل رفعتِ خیال بڑھا

جناب حبیب ہاشمی کلکتہ

لفظ ''حضرت'' معنی ومفہوم اور اس کا نشیب وفراز

مفتی محمد شمشاد حسین رضوی، گھنٹہ گھر بدایوں

اہل علم وفن اور ارباب سخن سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ لفظوں کا شمار'' ذخیرہ''میں کیا جاتا ہے اور'' ذخیرہ'' ہی پونجی اور سرمایہ ہوا کرتا ہے۔'' ذخیرہ'' کے بغیر کوئی انسان نہ ایک لفظ بول سکتا ہے اور نہ ہی کسی میں اتنی جرأت وہمت کہ اپنے'' ذخیرۂ الفاظ'' کا سہارا لئے بغیر اپنے 'مافی الضمیر '' کو بیان کر سکے۔اس لئے ضروری ہے کہ زبان و بیان کی کامیابی کے لئے اور'' ارسال و ابلاغ '' کی ناکامی سے بچنے کے لئے اپنے پاس لفظوں کے'' ذخیرہ'' کو جمع بھی کرے اور اس کی حفاظت کے لئے جدو جہد کو جاری بھی رکھے ۔۔جو لفظوں کی'' ذخیرہ اندوزی''نہیں کرتا ہے۔اسے قدم قدم پر حسرت و ناکامی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔۔جہاں ذخیرہ میں اور قسم کے الفاظ ہوا کرتے ہیں انہیں میں ایک لفظ ''حضرت'' بھی ہوا کرتا ہے۔لفظ کا مطلب '' پھینکنا'' ہوا کرتا ہے جیسا کہ بولا جاتا ہے' اکلت التمرۃ ولفظت النواۃ' یعنی میں نے کھجور کھایا اور گٹھلی پھینک دی مگر یہ '' پھینکنا'' بھی آسان نہیں ہوا کرتا ہے اپنی کمان سے تیر تو کوئی بھی پھینک سکتا ہے مگر اس پھینکنے کے لئے بھی برسوں تربیت کرنی پڑتی ہے مشق بھی کرنا پڑتا ہے اور اس '' پھینکنے'' کے لئے اپنے آپ کو جسمانی اور ذہنی طور پر تیار کرنا پڑتا ہے۔نہایت ہی بارک بینی سے اس نشانے کا جائزلینا پڑتا ہے جہاں تیر کو پہونچانا ہوتا ہے ۔۔اسی کو ذہن میں رکھتے ہوئے تیر چلانا چاہیئے ایسا نہ کرنے کی صورت میں ایسا ہوسکتا ہے تیر نشانہ پر نہ پہونچ پائے اور دائیں بائیں کھسک جائے ۔۔۔لفظ بھی ایک تیر ہے اور جس کے لئے بولا جائے وہ نشانہ ہے۔تیر پھینکنے والے کو اس کے مواقع اور اور اس کی نزاکتوں کا پاس ولحاظ رکھنا ہی تربیت ومشق اور تیاری ہے۔ان تمام مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہی کوئی انسان لفظوں کے استعمال میں کامیاب وکامراں ہوسکتا ہے۔۔۔

الفاظ کے ذخیروں میں جو لفظ ہوتا ہے۔جب تک وہ ذخیرہ میں ہوتا ہے مجرد اور غیر متحرک ہوتا ہے مگر جب اس کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس میں سیال اور تحریک کی کیفیت نمایاں ہوجاتی ہے۔۔۔سونا جب تک ہمارے اور آپ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے وہ پگھلتا نہیں ہے اور جیسے ہی اسے آگ پر رکھا جاتا ہے تو اس کا پگھلنا شروع ہوجاتا ہے اور پگھلتے ہی اس کی ''صورت نوعیہ' بدل جاتی ہے اور آپ اسے جو صورت دینا چاہیں دے سکتے ہیں۔اسی کو'' آ کار میں تبدیلی'' کا نام دیا جاتا ہے۔۔یہی کچھ احوال وآثار لفظوں، جملوں اور ترکیبوں کے ساتھ پیش ہوا کرتے ہیں ۔ایسا نہیں ہے کہ لفظوں اور جملوں کے احوال وآثار میں ہونے والی تبدیلیوں اور تغیرات سے اہل علم واقف نہیں۔ ہیں اور یقیناً واقف ہیں ۔۔ان کی جانکاری اور واقفیت حاصل کرنے کے لئے کچھ توجہ اور کچھ محنت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔۔لغات اور ماہرین علم وادب کی علمی فنی اور ادبی کاوشوں کی جانب رجوع کرنے ہی سے ان کے احوال وآثار میں تبدیلیوں کا احساس ہونے لگتا ہے اور شواہد کے طور پر بہت سے ایسے الفاظ بھی دستیاب ہو سکتے ہیں ۔۔جن کے معنی ومفہوم میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ذیل میں لفظ'' علامہ '' کے تعلق سے چند باتیں ذکر کی جارہی ہیں مثلاً

(۱)۔۔۔لفظ'' علامہ'' ایک مشہور تر کلمہ ہے جسے خاص لوگ بھی استعمال کرتے ہیں اور عوامی سطح پر بھی اس کا استعمال کیا جاتا ہے اور آج بھی لوگ استعمال کررہے ہیں۔لغت کے اعتبار سے'' علامہ'' کا مفہوم'' بہت جاننے والا '' ہوتا ہے جو اس بات کا تقاضا کرتا ہے ہر اس شخص کے لئے اس کا استعمال کیا جاسکتا ہے جو بہت کچھ جانتا ہو اور سب سے زیادہ جانتا ہو۔ یہ جاننا کس نوعیت کا ہو؟ لغت میں اس'' نوعیت'' کا کوئی تعین نہیں۔ دین وشریعت کے معاملہ میں جاننا مراد ہے یا دنیا کے معاملہ میں ۔۔۔آپسی معاملات کے تعلق سے جاننا ہو یا صنعت ودستکاری کے تعلق سے ۔۔اس کی کوئی تخصیص نہیں ۔۔اسی طرح تجارتی ،سماجی معاشرتی اور سیاسی طور پر جاننا'' علامہ'' کہنے کی بنیاد ہے یا کچھ اور ہی اس کی بنیاد ہے لغت میں اس طرح کی کوئی حد بندی نہیں کی گئی ہے ۔۔حد بندی نہ کیا جانا اس بات کا جواز فراہم کررہا ہے کہ لفظ'' علامہ'' کا استعمال ہر کسی کے لئے کیا جاسکتا ہے۔۔۔

(۲)۔۔۔یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی لفظ کے تعلق سے صرف اس کے ماخذ کے معنی کا جان لینا یا جو لغت میں معنی بتایا گیا ہے اس کا جان لینا کافی نہیں ہوتا ہے بلکہ اس لفظ کے استعمال اس کے مواقع اور اسے کس کے لئے استعمال کیا گیا ہے یا کیا جارہا ہے؟ یہ جاننا بھی ضروری ہوتا ہے۔۔۔کسی بھی لفظ کے معنیاتی نظام میں'' استعمال ،مواقع اور ان شخصیات کی بڑی اہمیت ہوا کرتی ہے جن کے لئے لفظ بولا جاتا ہے۔۔۔جب کسی کے لئے کوئی لفظ بولا جاتا ہے تو اس بولے جانے پر بولنے والے کی تنقید کی جاتی ہے اور پھر آگے چل کر اس بولے جانے کو سراہا جاتا ہے۔انہیں کیفیات کا پایا جانا لفظوں کے معنیاتی نظام میں تبدیلی اور اس کے فطری ارتقا پر روشنی ڈالتا ہے اور اس بات کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے کہ کوئی بھی لفظ ہو اور کیسا بھی ہو۔وہ کسی ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا ہے بلکہ اس کے معنی ومفہوم میں آئے دن تبدیلی ہوتی رہتی ہے ذیل میں چند شواہد پیش کئے جارہے ہیں ۔۔اسی لفظ'' علامہ'' کو لے لیجیئے ۔۔یہ لفظ کل بھی بولا جاتا تھا اور آج بھی بولا جارہا ہے مگر جس جس کے لئے بولا جاتا ہے یا بولا جارہا ہے اس میں کافی تبدیلی آگئی ہے۔کل جس کے لئے بولا جاتا تھا وہ شخصیت اور تھی اور آج جس کے لئے لفظ'' علامہ'' بولا جارہا ہے اس کا عالم کچھ اور ہے۔کل کا'' علامہ'' آسمان کی سرحدوں کو چھوا کرتا تھا اور آج کے'' علامہ'' کا یہ عالم ہے کہ وہ زمیں پر ہوتا ہے بلکہ اس کی سب

سے نیچے والی سطح میں پڑا ہوتا ہے۔۔

''علم نحو'' کی مشہور ترین کتاب ''کافیہ'' کے مصنف

'' کافیہ کے مصنف کا نام ''عثمان'' کنیت ''ابوعمرو'' اور لقب ''جمال الدین'' ہے چونکہ ان والد محترم ''امیر اعزالدین'' کے یہاں دربان تھے اور دربان کو عربے میں حاجب کہا جاتا ہے اس لئے آپ ''ابن حاجب'' سے مشہور ہوئے آپ کی کتاب ''کافیہ'' اہل علم کے یہاں مقبول ترین ہے آپ ۵۷۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۶رشوال ۶۴۲ ہجری میں آپ نے وفات پائی ۱۲منہ ''

کو''شرح جامی'' میں اس طرح یاد کیا گیا ''الکافیة للعلامة ابن الحاجب'' یعنی کافیہ جو''علامہ ابن حاجب'' کی ہے۔دیکھئے اس عبارت میں''ابن حاجب'' کے لئے ''علامہ'' کا استعمال کیا گیا۔مگر اس استعمال پر اہل علم خاموش نہ بیٹھے بلکہ ''شرح جامی'' کے مصنف

''شرح جامی بھی مشہور و معروف کتاب ہے جس میں مسائل نحو منطقی انداز میں بیان کئے گئے ہیں اس کے مصنف کا نام ''عبدالرحمٰن'' لقب اصلی عماد الدین اور لقب مشہور نورالدین ہے اور کنیت ابوالبرکات آپ ۲۳رشعبان ۸۱۷ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۸رمحرم ۸۹۸ ہجری میں وصال فرما گئے ۔۔شرح جامی ابن حاجب کی کتاب ''کافیہ'' کی مشہور شرح ہے جو مدارس اسلامیہ میں کافیہ پڑھنے کے بعد پڑھائی جاتی ہے ایم حسین رضوی''

پر علمی اور فکری انداز میں تنقید کی گئی۔۔یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ جس محقق نے لفظ''علامہ'' کا استعمال کیا۔وہ کوئی غیر معمولی شخصیت کے حامل نہ تھے اور جس کے لئے اس کا استعمال کیا گیا ہے وہ بھی اپنے زمانے میں''علم نحو'' کے امام تھے۔اس کے باوجود اس استعمال پر تنقید باعث حیرت ہے۔وہ تنقید کیا تھی ذیل میں اس کی وضاحت کی جا رہی ہے۔۔اسے غور سے مطالعہ فرمائیں۔

البحث الثالث لایجوز اطلاق العلامة علی ابن الحاجب لانه لم یکن عالماً بعلوم العقلی ویشترط فی العلامة ان یکون عالماً بعلوم العقلی والنقلی معاً والجواب انه جمع جمیع اقسام العلوم ولکن اشتهاره فی النقلیات دون العقلیات کما یصح اطلاق ھذااللفظ علی قطب الدین الشیرازی مع اشتهاره فی العقلیات دون النقلیات و اجیب بانه جعل علم العقلی کالمنطق والحکمة کالعدم

''الحاشیة لملا عبد الرحمٰن علی محرم آفندی ص ۱۱۳ ایم حسین رضوی''

یعنی تیسری بحث اس مسئلہ میں کہ''ابن حاجب'' کے لئے ''علامہ'' کا استعمال صحیح نہیں ہے کیونکہ ''علامہ'' کے استعمال کے لئے علوم عقلی اور نقلی دونوں کا جامع ہونا ضروری ہے اور''ابن حاجب'' صرف ''علوم نقلی'' میں مہارت رکھتے تھے''علوم عقلی'' میں نہیں۔۔

اس کا جواب اس طرح دیا گیا کہ''ابن حاجب'' نے تمام اقسام علم کو جمع کیا۔یہ اور بات ہے کہ انہیں صرف ''علوم نقلی'' میں شہرت حاصل ہوئی جس طرح ''قطب الدین شیرازی پر''علامہ'' کا اطلاق کیا جانا صحیح ہے حالانکہ انہیں''علوم عقلی'' میں شہرت حاصل تھی ''علوم نقلی'' میں نہیں۔اس کا ایک جواب یہ بھی دیا گیا کہ''ابن حاجب'' نے اپنے حق میں''علوم عقلی'' جیسے منطق وحکمت کو مثل ''عدم'' قرار دے دیا تھا۔

مذکور بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ لغات میں لفظوں کے جو معانی لکھے ہوئے ہوتے ہیں صرف انہیں پر قناعت نہیں کی جاسکتی ہے بلکہ لفظوں کے معنیاتی نظام اور اس کے نشیب وفراز ان کے استعمال اور موقع محل کی نزاکتوں کا بھی پاس ولحاظ کرنا ضروری ہوا کرتا ہے تب کہیں جا کر لفظوں کی صورت حال سامنے آتی ہے اور حد تو یہ ہے کہ ارباب لغت بھی اس بات کا التزام رکھتے ہیں کہ جب وہ معنی ومفہوم کی وضاحت کرتے ہیں تو اس کے ثبوت میں محاورے۔ضرب الاستعمال اور ماہرین زبان وادب کے اقتباسات سے شواہد بھی پیش کرتے ہیں اور جو لوگ ''معنیاتی نظام'' کے تحت زبان وادب یا کسی اور فن کے ماہرین کے استعمالات سے خود کو الگ کر لیتے ہیں۔میرے خیال میں ایسے لوگ نہ لفظوں کے ساتھ دیانت داری کرتے ہیں اور نہ ہی ان کے مواقع استعمال کا حق ادا کر پاتے ہیں بلکہ میں یہاں تک کہتا ہوں کہ ان کی نظر میں ''معنیاتی نظام'' کی کوئی قدر و قیمت ہی نہیں ہے۔۔لفظ''ملا'' بہت ہی ہلکا پھلکا لفظ ہے جس کو ادا کرنے میں نہ کوئی دقت ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی دشواری سامنے آتی ہے باوجود اس کے اس لفظ کا استعمال کسی ایرے غیرے کے لئے نہیں کیا جاسکتا۔۔تاریخ شاہد ہے اس لفظ''ملا'' کا استعمال اس ذات گرامی کے لئے کیا جاتا تھا جو''علوم نقلیہ'' اور''علوم عقلیہ'' میں ماہر ہوا کرتی تھی اور جس کی تبحر علمی کو دنیا خراج پیش کرتی ہے۔اور جن کے آستانہ علم وحکمت کو بوسہ دیا جاتا تھا۔یہ دور کس قدر اچھا دور تھا اور کیسا سنہرا زمانہ تھا جب لفظوں کے ساتھ انصاف کیا جاتا تھا اور ان کے مواقع استعمال نیز انکی نزاکتوں کا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔اور شخصیات کا بھی احترام کیا جاتا تھا۔جب کسی حقدار کو اس کا حق دیا جاتا ہے تو اس سے دل کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔آنکھوں میں نور بھر جاتا ہے اور روح کو ایک عجیب سی لذتوں کا احساس ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ لفظوں کا احترام بھی کیا جاتا ہے۔ٹوپی اس لئے بنائی گئی تا کہ اسے سر کا تاج بنایا جائے اور جوتے اس لئے بنائے گئے ہیں تا کہ اس کے ذریعہ پاؤں کو زینت بخشی جائے اور کیل کانٹوں سے اس کی حفاظت کی جائے۔ذرا سوچیئے اگر ٹوپی کو سر کے بجائے پاؤں میں پہنی جائے یا جوتے پاؤں میں پہننے کے بجائے اسے سر پر سجایا ئے تو کیا ایسا کرنا مناسب ہوگا نہیں نا۔؟ ٹھیک اسی طرح جو جس لقب کا مستحق ہوتا ہے اس پر لقب کا اطلاق اس قدر زیب دیتا ہے کہ باچھیں اس اطلاق سے مارے خوشی کے کھل جاتی ہیں اور جب اس لقب کا استعمال کسی ایسے کے لئے کیا جائے جو اس کا مستحق نہیں ہوتا ہے تو ایک انصاف پسند دل پر کیا گزرتا ہے یہ تو وہی جانتا ہے جو احساس وشعور کا حامل ہوتا ہے اور جو بے حس ہوا کرتا ہے

اس پر کیا گزرے گا؟ س کی مثال اس بھینس کی سی ہوتی ہے جس کے اوپر بین کا بھی اثر نہیں ہوتا ہے۔ دور حاضر کے لوگوں کا مزاج بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ یہ درد کتنا بڑا درد ہے؟ اب ذیل میں دانشوروں اور علم وحکمت کے تاجوروں کے اسمائے گرامی پیش کئے جارہے ہیں جو لفظ ’’ملا‘‘ کے لقب سے یاد کئے گئے ہیں اور آج بھی کئے جارہے ہیں مثلا۔

(ا) ملا جلال

’’جلال الدین محمد بن اسعد الصدیقی نسباً الشافعی مذہبا دوان نامی ایک قریہ کے رہنے والے تھے اس لئے دوانی کہلائے جاتے ہیں۔ ۸۲۸ ہجری میں پیدا ہوئے علوم عقلیہ میں کافی مہارت رکھتے تھے صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ان کا علمی مقام ارفع واعلی ہے علوم عقلیہ میں مہارت کے سبب ہی آپ کو ملا کہا جاتا ہے ۹۰۹ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔‘‘

ملا محب اللہ بہاری

’’ملا محب اللہ بہاری علوم عقلیہ میں کافی مہارت رکھتے تھے اصول فقہ میں بھی انہیں امام ہونے کا شرف حاصل ہے ملا سلم اور مسلم الثبوت انہیں کے علی کارنامے ہیں آپ کا نام ’’محب اللہ‘‘ اور والد مکرم کا نام ’’عبد الشکور‘‘ ہے آپ زرین علمی کارناموں پر ہندوستان ناز کرتا ہے آپ ۱۱۱۸ ہجری وفات پا گئے آپ نے بڑی اہم اور معرکۃ آرا کتابیں تصنیف کی ہیں ۔۔ایم حسین رضوی‘‘

ملا حمد اللہ

’’نام حمد اللہ اور والد گرامی کا نام شکر اللہ ہے بلند پایہ معقولی عالم اور حاذق طبیب تھے کس مذہب کے ماننے والے تھے اس بارے میں کوئی صحیح جانکاری نہیں جس فن میں انہیں مہارت حاثل تھی اس فن کے وہ امام تھے اور درس وتدریس میں کامل دستگاہ رکھتے تھے تا عمر درس وتدریس میں مصروف رہے دہلی میں ۱۱۶۰ ہجری میں انتقال ہوا حضرت قطب الدین اوشی کے مزار پاک کے جانب غرب وجنوب میں مدفن ہوئے ان کی کتاب حمد اللہ نہایت ہی قدر ومنزلت کے ساتھ دیکھی جاتی ہے اور دور حاضر میں پڑھائی جاتی ہے درس نظامی میں داخل ہے ایم حسین رضوی‘‘

وغیرہ ان حضرات کے علاوہ اور بھی حضرات ہیں جنہیں ’’ملا‘‘ کے لقب سے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔

(۳) ۔۔جو تحریریں اوپر پیش کی گئی ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ’’علامہ‘‘ اور ’’ملا‘‘ کا معنی ارباب لغات کے بتائے ہوئے معانی ومفاہیم سے قدرے جدا ہیں۔ صرف جاننے والوں کو ’’علامہ‘‘ نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ انہیں کہا جائے گا جو علم عقلی اور نقلی دونوں میں مہارت رکھتا ہو اسی طرح ’’ملا‘‘ صرف اور صرف مولوی کو نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ اسے کہا جائے گا جسے علم عقلی میں مہارت تامہ اور کامل دستگاہ حاصل ہو ۔۔۔علامہ وملا کے استعمال کی مذکورہ نوعیت اس بات کا پیش خیمہ ہے کہ الفاظ وجمل کے ’’معنیاتی نظام‘‘ میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور اس تبدیلی میں (ان کے استعمال اور کس کے لئے استعمال ہوا ہے) کو کافی دخل وعمل ہے۔۔اور اس استعمال سے معنی ومفہوم میں تغیر ہوجانے سے اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ الفاظ وجمل پگھلے ہوئے شیشوں کی مانند ہوا کرتے ہیں جو اپنے طور پر نہایت ہی صاف وشفاف ہوا کرتے ہیں اور اس کی طہارت وپاکیزگی قابل رشک ہوا کرتی ہے۔ استعمال کرنے والوں کے ہاتھوں میں یہ اختیار ہوتا ہے چاہیں تو وہ اس کی طہارت نفسی کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس میں کدورت کی کیفیت نمایاں کردیں ۔۔۔اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جو لقب جس کے لئے بولا جاتا ہے وہ خود اپنے لقب کی پاکیزگی کو برقرار رکھتا ہے اور اس کی چمک ودمک کو کبھی میلا نہیں ہونے دیتا ہے۔۔اس کی مثال میں اس لفظ ’’امام‘‘ کو پیش کیا جاسکتا ہے جو اعلی حضرت فاضل بریلوی کے لئے استعمال کیا گیا یعنی ’’امام احمد رضا‘‘ کا لفظ ’’امام‘‘۔۔اس بات میں کوئی شک وتردد نہیں کہ جب ’’احمد رضا‘‘ کے نام کے ساتھ ’’امام‘‘ بولا گیا تو اس وقت لوگوں نے نہ جانے کیا کیا کہا لیکن بعد میں اسی لفظ ’’امام‘‘ نے اعلی حضرت کی تابناک شخصیت سے نور وضیا اور توانائیوں کا اکتساب کرکے نکتہ چیں حضرات کے فکر و استدلال پر خندہ زن ہوئے اور اشاروں اشارے میں بتا دیا کہ میں ’’احمد رضا‘‘ کے نام کے ساتھ منسلک ہوکر وہ نہ رہا جو جڑنے سے پہلے تھا بلکہ جڑ جانے کے بعد مجھ میں ساری خوبیاں در آئی ہیں اور پہلے سے کہیں زیادہ مجھ میں خوبیاں پیدا ہوگئی ہیں ۔۔۔مگر نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دور حاضر میں اب القاب وآدب کا وقار مجروح کیا جارہا ہے جو چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے ’’علامہ‘‘ یا ’’ملا‘‘ کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اب ’’امام‘‘ کا معیار بدل چکا ہے۔ اس وقت اسے بھی ’’امام‘‘ کہا جارہا ہے جس میں امام بننے کی نہ صلاحیت ہوتی ہے اور نہ اس میں امام جیسے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ اس لئے دور حاضر میں جس طرح الفاظ وجمل کی ناقدری کی جارہی ہے اس کا مشاہدہ کرکے دل روتا ہے اور آنکھوں سے خون کا آنسو بہنے لگتا ہے۔۔کیا اس دور کی ستم ظریفی دیکھ کر اسے ’’الفاظ وجمل‘‘ کی ناقدری کا دور کہا جائے یا نہیں؟ یہ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے اسے ’’ع‘‘ کہئے یا ’’غ‘‘۔۔اس دور ناقدری کا کرشمہ یہ ہے کہ جس کے سر پر ٹوپی ہے اسے ملا کہہ دیا ۔جس کے چہرہ پر داڑھی ہے اسے ’’ملا‘‘ کہہ دیا اور بدایوں کے قرب وجوار میں ایک ایسے شخص کو ’’علامہ‘‘ کہا جاتا ہے جس میں اس بھاری بھرکم لفظ ’’علامہ‘‘ کے بوجھ کو برداشت کرنے کی قوت نہیں پائی جاتی ہے ۔۔علامہ کہنے کی کوئی تو مناسبت پائی جائے ۔کم از کم اس کی شخصیت اور صورت تو ایسی ہو جو لفظ ’’علامہ‘‘ کے اطلاق کے لئے جواز فراہم کرسکے ۔۔اس دور میں بہت سے افراد پائے جاتے ہیں جنہیں شخصیت وصورت کو دیکھتے ہوئے ’’علامہ‘‘ کہا جاسکتا ہے اور کہا بھی جارہا ہے ۔مگر ایسوں کو ’’علامہ اور ملا‘‘ کہنا جو اس کے زمرے میں آتے ہی نہ ہوں۔ ان کے لئے لفظ ’’علامہ‘‘ اور لفظ ’’ملا‘‘ کہنا ایسا ہے جیسے کوئی جوتے کو سر پر رکھے اور پاؤں میں ٹوپی پہنے۔ ہاں وہ جوتے اور ہوا کرتے ہیں جو سروں کا تاج ہوا کرتے ہیں ۔اور کمال بے شرمی سے اس لقب پر اپنی خوشی کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا المیہ ہے جو دل اور دماغ کو چوٹ پہونچاتا ہے اور روح

کو ایذا۔

معنیاتی نظام میں تغیر وتبدل کا سلسلہ کسی ایک لفظ یا جملہ کے ساتھ خاص نہیں ۔ بلکہ اس زد میں ہزاروں الفاظ آتے ہیں اور لاکھوں جملوں نے اپنی عزت کھودی ہے۔کیا ان کا دکھ درد اپنا دکھ درد نہیں؟ ہاں! میرا بھی درد ہے اور میرا بھی دکھ ہے۔

جہاں تک لفظ ''حضرت'' کی بات ہے۔اس کی بھی تاریخ رہی ہے اور اس کا بھی اعلی مزاج رہا ہے۔جہاں اس نے بلندی دیکھی ہے وہیں اس نے دور حاضر میں ایسا منظر دیکھا ہے اور اب بھی دیکھ رہا ہے وہ کسی داستان غم و اندوہ سے کم نہیں۔اس کے اس المیہ کو دیکھ کر نہ صرف افسوس ہوتا ہے بلکہ آٹھ آٹھ آنسو رلاتا ہے اور کلیجہ منھ کو آتا ہے۔لفظ ''حضرت'' کی تاریخ بھی سنہری رہی ہے۔

(۱)۔ایک وہ دور تھا جب لفظ ''حضرت'' پاکیزہ، تقدس ماب، بے نیاز ،کمال استغنا کی صفت رکھتا تھا۔اور اس کا استعمال بہت کچھ سوچ سمجھ کر کیا جاتا تھا اور ہمیشہ دل میں یہ خوف رہا کرتا تھا کہیں اس کے استعمال سے کوئی سوئے ادبی سرزد نہ ہوجائے۔اسی لئے ہمارے بہت سے اسلاف نے اور بہت سے بزرگوں نے حق تعالی کی ذات بے نیاز کے لئے اس کا استعمال کیا ہے۔جیسا کہ کہا جاتا ہے ''حضرت حق تعالیٰ'' ''حضرت جل مجدہ'' وغیرہ علم تصوف کی دنیا میں نہ اللہ تعالی کے لئے نہ صرف لفظ ''حضرت'' کا استعمال کیا گیا ہے بلکہ اس ذات گرامی کے قرب کو بھی ''حضرت'' سے تعبیر کردی گئی ہے ۔ یہ وہی قرب ہے جس کے بارے میں سرکار اعلی حضرت فاضل گرامی کا ارشاد باوقار ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد قریب آ سرورِ مجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
خرد سے کہہ دو کہ سر جھکا لے گماں سے گزرے گزرنے والے
پڑے ہیں یہاں خرد کے لالے کسے بتائے کدھر گئے
سراغ این ومتی کہاں تھا نشان کیف و الی کہا تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے
اُدھر سے پیہم تقاضے آنا اِدھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال وہیبت کا سامنا تھا جمال ورحمت ابھارتے تھے
بڑھے تو لیکن جھجھکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رُکتے
جو قرب انہیں کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے
پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقۃً فعل تھا اُدھر کا
تنزلوں میں ترقی افزا دنی تدلی کے سلسلے تھے

یہی مقام قرب ہے جس کی شان بے نیازی ان اشعار میں پیش کی گئی ہے۔یہی وہ قرب ہے جس کو عقل وخرد اور شعور وادراک کے پیمانوں سے جانچا نہیں جاسکتا ہے بلکہ گماں اور وہم کو بھی اس کے قریب سے گزرنے کی اجازت نہیں۔بس اسی قرب کو لفظ ''حضرت'' سے بیان کیا گیا ہے۔یہ الگ بات ہے کہ سید نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب اور ہوتا ہے اور ایک ولی ایک بندہ مومن کا مقام قرب اور ہوا کرتا ہے۔مگر یہاں قرب کی جو معنویت ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔اس قرب کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے شریف جرجانی تحریر کرتے ہیں

۵۸۶ - الحضرات الخمس الإلهية حضرة الغيب المطلق وعالمها عالم الأعيان الثابتة فى الحضرة العلمية وفى مقابلتهاحضرة الشهادة المطلقة وعالمها عالم الملك وحضرة الغيب المضاف وهى تنقسم إلى ما يكون أقرب منه الغيب المطلق وعالمه عالم الأرواح الجبروتيةوحضرة الملكوتية أعني عالم العقول والنفوس المجردة إلى ما يكون أقرب من الشهادة المطلقة وعالمها عالم المثال ويسمى بعالم الملكوت والخامسة حضرة الجامعة للأربعة المذكورة وعالمها عالم الإنسان الجامع لجميع العوالم وما فيها فعالم الملك مظهر عالم الملكوت وهو عالم المثال المطلق وهومظهر عالم الجبروت أى عالم المجردات وهو مظهر عالم الأعيان الثابتة وهو مظهر الأسماء الإلهية والحضرة الواحديةوهى مظهر الحضرةالأحدية

''کتاب التعریفات عبارت نمبر ۵۸۹''

ترجمہ:۔حضرات الٰہیہ پانچ ہیں ۔۔ اول۔غیب مطلق کا قرب۔۔اس کا ج ''عالم ان ''اعیان'' کا ''عالم'' ہوتا ہے جو ''علم الہی'' میں ثابت ہوا کرتے ہیں۔۔دوم۔''شہادت مطلقہ'' کا قرب ہے۔اس کا ''عالم'' عالم ملک'' ہے۔۔سوم۔غیب مضاف کا قرب ''جو ''غیب مطلق سے قریب تر ہو'' ہوتا ہے اس کا عالم''۔''ارواح جبروتیہ'' کا ''عالم'' ہوتا ہے۔چہارم۔قرب ملکوتی ''عالم عقول و نفوس مجردہ جو ''شہادت مطلقہ'' سے قریب تر ہوتا ہے۔اس کا عالم ''عالم مثال'' ہے اور جسے عالم ملکوت سے تعبیر کیا جاتا ہے ہوا کرتا ہے۔پنجم۔۔وہ قرب جو ''حضرت'' کے چاروں مقامات کا جامعہ ہو ۔۔اس کا عالم اس انسان کا عالم ہے جو جامع ہے تمام عوالم اور جامعہ ان تمام چیزوں کا جو ان عوالم میں پائی جاتی ہیں ۔۔پس ''عالم ملک'' ''مظہر ملکوت'' ہوتا ہے اور ''عالم ملکوت''، ''مظہر'' عالم مثال مطلق '' ہے اور وہ ''عالم جبروت'' کا مظہر ہوتا ہے اور وہ مظہر ''عالم اعیان ثابتہ'' ہوتا ہے اور وہ ''مظہر اسمائے الٰہیہ اور مظہر'' حضرت احدیت'' ہوا کرتا ہے۔

اس پوری عربی عبارت اور اس کا ترجمہ پیش کرنے کا مقصد علم تصوف کے اسرار ورموز کو بیان کرنا نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ یہ لفظ ''حضرت'' اس قدر عظیم تر ہے کہ اس کا استعمال حق تعالیٰ اور ذات وحدہ لاشریک کے لئے بھی کیا گیا ہے۔اور اس سے پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ لفظوں کا مزاج بڑا نازک ہوا کرتا

ہے۔اس میں ''استعدادی صلاحتیں'' بلا کی پائی جاتی ہیں جس کے سایہ تلے الفاظ آتے ہیں اسی کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔یہی سبب ہے کہ لفظ جبتک کسی شخصیت سے الگ تھلگ رہتا ہے اس کی حیثیت سادہ کاغذ کی مانند ہوا کرتی ہے اور جب کسی شخصیت کے لئے استعمال ہوتا ہے تو اس کے رنگ کو فوری طور پر قبول کرلیتا ہے اور اس کی حیثیت لقب کی ہوجاتی ہے یا پھر صفت کی ہوجاتی ہے۔اور یہ لقب یا یہ صفت اپنے صاحب لقب اور صاحب صفت یعنی موصوف سے اس کا رشتہ اس طرح مستحکم ہوجاتا ہے کہ کبھی موصوف بول کر صفت مراد لی جاتی ہے اور لقب بول کر ملقب مراد لیا جاتا ہے۔اور کہیں اس کے برعکس ہوا کرتا ہے کہ موصوف بول کر صفت اور صاحب لقب بول کر لقب مراد لیا جاتا ہے۔جو لوگ زبان و بیان اور فن و ادب سے آشنا ہوا کرتے ہیں۔وہ ان باتوں کو بخوبی جانتے ہیں۔انہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔۔ایسی بھی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں موصوف یا صاحب لقب کی جگہ صرف صفت اور لقب ہی بولا جاتا ہے اور اس سے مراد موصوف یا صاحب لقب لیا جاتا ہے۔چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات بے نیازی کے لئے لفظ ''حضرت'' کا استعمال کیا گیا ہے۔اس لفظ ''حضرت'' کو یہاں کس قدر فیض بے مثالی اور شان بے نیازی ملی ہے؟ اس کو کون بیان کرسکتا ہے؟۔اگر کوئی پوچھے کہ ''حضرت حق'' میں ''حضرت'' کا کیا مفہوم ہے؟ اور اس کا کیا معنی ہے؟ تو میں کیا کوئی بھی بیان نہیں کرسکتا ہے۔اس بارے میں صرف اس قدر کہا جاسکتا ہے اس مذکورہ مثال میں لفظ حضرت'' عروج و بلندی کے اس معیار پر کھڑا ہے جس کی بلندی کو ناپنے کے لئے ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ۔ ''معنیاتی نظام'' کا یہ ایسا کمال ہے جو بے نیاز ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثال اور پاک و منزہ بھی ہے۔اگر یہاں یہ کہا جائے کہ لفظ ''حضرت'' کا معنی ''پاک و بے نیاز ہے'' تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

پھر اسی لفظ ''حضرت'' کا استعمال فرشتوں میں سے مخصوص فرشتوں مثلاً حضرت جبرئیل،حضرت میکائل،حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل کے لئے بھی کیا گیا۔۔جب کوئی ان مخصوص فرشتوں کا نام لیتا ہے یا ان کے اسمائے گرامی تحریر کیا جاتا ہے تو اس طرح لکھتے اور بولتے ہیں۔حضرت جبرئیل حضرت میکائیل وغیرہ۔بتایا جائے کہ ان مثالوں میں جو لفظ ''حضرت'' ہے اس کا کیا مفہوم نکلتا ہے؟ تو ظاہر سی بات اس کے مفہوم کے تعین میں ان مخصوص فرشتوں کی منفرد ذات و شخصیت کے تناظر میں ہی کیا جائے گا۔ان کی ذوات قدسیہ سے الگ ہوکر نہیں اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے اس کے مفہوم کے تعین میں اس بات کا خیال رکھا جائے فرشتہ معصوم اور نوری ہوا کرتے ہیں لہٰذا اس کے مفہوم و تعبیر میں اس کا عکس بھی پایا جائے گا۔اس کے مفہوم میں نورانیت اور عصمت بھی شامل ہوگی۔بات جب اس سے آگے بڑھتی ہے تو اسی لفظ ''حضرت'' کا استعمال حضرات انبیائے کرام اور خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کیا گیا ہے اور کیا بھی جارہا ہے۔لفظ ''حضرت'' کس قدر خوش نصیب ہے اور قسمت کا کیسا دھنی ہے کہ اس نے صفت یا لقب بن کر کچھ اس انداز میں اکتساب نور وضیا کیا ہے کہ خود اس کی ذات اور سراپا کہاں سے کہاں پہونچ گیا ہے اور اس طرح چمک دمک رہا ہے کہ اس کے سامنے خورشید تاباں بھی سرنگوں ہے۔میں پوچھنا چاہتا ہوں جب زمین کا وہ حصہ جو جسم پاک سے ملا ہوا ہے ہمارے علمائے کرام کے نزدیک عرش اعظم سے بھی افضل و برتر ہے۔جب مٹی ہوکر اسے اس قدر فضیلت حاصل ہوسکتی ہے اور ''حضرت'' تو ایک لفظ ہے اور اس میں اس قدر صلاحتیں ہیں جو مٹی میں نہیں پائی جاتی ہیں تو پھر اس کے افضل ترین ہونے میں کسی کو کیا شک و تردد ہوسکتا ہے؟ بتائیے اس ''حضرت'' کیا مفہوم ہوسکتا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نسبت بڑی چیز ہوا کرتی ہے۔جسم میں روح کا پایا جانا بھی ایک نسبت کے تحت ہوا کرتا ہے اور یہ ایسی نسبت ہے جو معیار حیات و زیست ہے۔اسی طرح نسبت عروج و ارتقا کا باعث بھی ہوا کرتی ہے۔کرسی سے نسبت ہوتی ہے تو کرسی والا کہلاتا ہے اور گھر سے نسبت ہوتی ہے تو گھر والا کہلاتا ہے اور جب منصب سے نسبت ہوجاتی ہے تو منصب والا کہلاتا ہے۔چپراسی تو بہر حال چپراسی ہوا کرتا ہے چاہے وہ کسی کا بھی چپراسی ہو مگر ایسا نہیں ہے بلکہ ضابطہ یہ ہے کہ جس کا چپراسی ہوتا ہے اسی کے تناظر میں اس کی اہمیت و افادیت کا اندازہ لگایا جاتا ہے جو بات کلکٹر کے چپراسی بننے میں ہوا کرتی ہے اوروں کے چپراسی بننے میں نہیں۔اس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ ''حضرت'' کے مفہوم کے تعین میں یہ دیکھا جائے گا کہ اس کا استعمال کس کے لئے ہوا ہے اور وہ کس حیثیت کا مالک ہے ؟ جیسی اس کی حیثیت ہوگی اسی کے تناظر میں لفظ ''حضرت'' کے معنی و مفہوم کا تعین کیا جائے گا۔۔ہر جگہ اس سے ایک ہی مفہوم مراد لینا اصل کے خلاف ہے اور انصاف و دیانت کے بھی خلاف ہے۔افراد و اشخاص کے بدلتے تناظر میں اگر لفظ ''حضرت'' کے معنی و مفہوم میں تغیر و تبدل کا نظریہ نہ مانا جائے تو یہ الفاظ جامد ہوجائیں گے ساکت و خاموش ہوجائیں گے۔نہ اس میں تاثیری کیفیت پائی جائے گی اور نہ اس میں کسی قسم کا کرشمہ نمود پائے گا۔نہ اس کا اثر کسی کے دل پر ہوگا اور نہ کسی کے دماغ پر۔۔نہ وہ پھول بن کر مسکرائے گا اور نہ اس سے نکہتیں پھیلیں گی۔نہ ان کے لفظوں میں کانٹے ہونگے اور نہ تیر و سناں کیوں کہ وہ جامد اور غیر متحرک ہے۔جب کہ لفظ میں یہ ساری کیفیات پائی جاتی ہیں۔کبھی وہ پھول ہوتا ہے اور کبھی اس میں کانٹے ہوا کرتے ہیں۔وہ قتل بھی کردیتا ہے اور خون بھی بہنے نہیں دیتا۔وہ ایسا زخم دیتا ہے جس بھرپائی نہیں ہو پاتی۔کیا ہی خوب فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔آپ تحریر کرتے ہیں۔

جراحات السنان لها التيام
ما جرح اللسان لا يلتام

یعنی نیزہ کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر جو زخم لفظوں سے لگتا ہے وہ کبھی اچھا نہیں ہوتا

کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو لفظ ''حضرت'' کا استعمال کرتا ہے اس کی حیثیت صرف ''واضع ثانی'' کی ہوتی ہے مگر جس کے لئے بولا جاتا ہے اس کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔لفظ ''حضرت'' کو کوئی کیا جانے؟ وہ کیا ہے؟ اور اس کا اصل مقام کیا ہے؟ میرے دوست وہ شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے اور اس آئینہ میں شخصیت نظر آتی ہے۔اس کے خدوخال دکھائی دیتے ہیں۔اس کے کمالات و

اثرات بھی نظر آتے ہیں اس کی فطری صلاحتیں اور اکتسابی خوبیاں بھی چمکنے لگتی ہیں۔لفظوں کے بدلتے مزاج کو جس نے جان لیا اس نے جان لیا اور جو غافل رہا وہ غافل ہی رہا۔دیکھئے سیدی سرکار اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں؟

وہ گل ہیں لبہائے نازک ان کے ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے
گلاب گلشن میں دیکھے بلبل یہ دیکھ گلشن گلاب میں ہے
جلی ہے سوز جگر سے جاں تک ہے طالب جلوۂ مبارک
دکھا دو وہ لب کہ آب حیواں کا لطف جن کے خطاب میں ہے

ان اشعار میں لفظوں کو گل فرمایا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان میں ''آب حیات'' کا لطف ہوا کرتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظوں میں بھی جان ہوتی ہے اس میں بھی خوشبو پائی جاتی ہے اور یہی الفاظ ہوا کرتے ہیں جو''آب حیات'' کا لطف ومزہ دیا کرتے ہیں یعنی الفاظ زندہ اور متحرک ہوا کرتے ہیں۔لہٰذا ثابت ہوا حضرت بھی ایک ایسا لفظ ہے جو زندہ اور متحرک ہے اور اس میں آئینۂ شخصیت بننے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔نہ کہ اس میں صرف صلاحیت ہی ہے بلکہ اس کا جب استعمال کیا جاتا ہے تو وہ عملی طور پر آئینہ ثابت ہوتا ہے اور جس کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اگر واقعی طور پر اس کی شخصیت بھاری بھرکم ہے تو اس ایک صلاحیت کا پرتو اس آئینہ میں مرتسم ہو جاتا ہے اور اگر اس کی شخصیت کھوکھلی ہوتی ہے تو یہ آئینہ بھی اندھا ہی رہتا ہے اور اس میں کسی قسم کی پیش رفت نہیں ہو پاتی ہے۔یہی لفظ حضرت ائمہ کرام اور خدا کے بندوں کے لئے استعمال کیا گیا۔حضرت غوث اعظم۔حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔حضرت بابا فرید الدین گنج شکر۔خواجہ نظام الدین اولیا۔حضرت بڑے سرکار حضرت چھوٹے سرکار۔حضرت ضیا الدین نخشبی۔حضرت شیخ شہاب الدین مہمرہ۔حضرت شاہ برکت اللہ۔حضرت اچھے میاں۔حضرت شاہ فضل رسول۔حضرت شاہ عبدالقادر۔حضرت امام احمد رضا۔حضرت مفتی اعظم ہند وغیرہ۔دیکھئے ایک لفظ حضرت ہے اور اس کا استعمال سب بزرگوں اور دانشوروں کے لئے کیا گیا ہے۔اگر ہر جگہ ایک ہی مفہوم لیا جائے تو یہ حقیقت کے خلاف ہوگا۔اور نسبتوں کا کمال جاتا رہے گا۔اور یہ تجربہ کے بھی خلاف ہے۔کپڑا ایک ہوتا ہے مگر اسی کا جب لباس بنتا ہے تو الگ الگ ہوا کرتا ہے ورنہ موزونیت جاتی رہے گی۔لفظ بھی ایک کپڑا ہے اور اس کا استعمال لباس سینے جیسا ہے اور اس کا عملی طور پر استعمال ہونا لباس کے فٹ ہو جانے کی مثل ہے۔اس لئے لفظ حضرت کے معانی اور مفاہیم الگ الگ لئے جائیں گے۔۔کہاں کون سا مفہوم ہوگا۔قارئین خود اس کا تعین کر لیں۔۔ ذرا سوچیئے اگر اسی لفظ''حضرت'' کا استعمال ایک ایسی ذات کے لئے کر دیا جائے جس کے پاس ایمان نہ ہو اور نہ وہ مومن ہو تو ایسی صورت میں اس لفظ ''حضرت'' کا مفہوم جو بھی تعین کیا جائے اس میں کفر کا معنی بھی شامل ہوگا۔اور یہ بھی شامل ہوگا کہ''میں نے طعنہ پر جہنم کو ترجیح دی'' کہ لفظ''حضرت'' ایک آئینہ ہے اور شخصیت میں جو عنصر غالب ہوتا ہے اس کا عکس اس میں ضرور چھپتا ہے ۔۔لفظ''حضرت'' کی دو حیثیت ہوتی ہے ایک''حیثیت اطلاقی'' یعنی استعمال سے پہلے والی حیثیت اور دوسری''حیثیت تقییدی'' یعنی استعمال کے بعد والی حیثیت۔۔حیثیت اطلاقی میں تو لفظ حضرت صرف اور صرف ایک کلمہ تعظیم ہے اس کے معنی ومفہوم میں عمومیت اور شمولیت پائی جاتی ہے۔کسی کے لئے بھی اس کا استعمال کرنے سے پہلے استعمال کی بنیادیں تلاش کرنی چاہیئے کہ آخر وہ بنیادیں کیا ہیں۔

لفظ ''حضرت'' کے استعمال کی بنیادیں

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس لفظ''حضرت'' کے استعمال کی کیا کیا بنیادیں ہو سکتی ہیں؟ یا یوں ہی ہر کسی کے لئے اس کے استعمال کی اجازت ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ہر کسی کے لئے اس کا استعمال کر دیا جائے اگر اس بارے میں کلی طور پر اجازت مرحمت کر دی جائے تو لفظوں کا تقدس اور اس کے صاف شفاف مزاج کے ساتھ مذاق بن کر رہ جائے گا اور اس کا احترام دلوں سے محو ہوتا چلا جائے گا اور ذہن وفکر کی سطح پر اس کا جو وقار اور اہمیت پائی جاتی ہے وہ سب کے سب تاش کے پتوں کی مانند بکھر جائے گی۔اور وہ لفظ''حضرت'' اس قدر مفلس وکنگال ہو جائے گا کہ اس کی طرف کوئی نگاہ بھی اُٹھا کر نہیں دیکھے گا۔کیا آپ یہی چاہتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں! اس لئے ضرورت ہے کہ اس کا کوئی نہ کوئی معیار متعین کر دیا جائے۔۔اس لئے دیکھتے ہیں اس کا کیا کیا معیار ہو سکتا ہے اور کس کس معیار کو مسترد کیا جا سکتا ہے؟ اب تک لفظ''حضرت'' کے تعلق سے جو بحث کی گئی ہے اس سے چند قسم کے معیارات سامنے آئے ہیں۔

الف: لفظ''حضرت'' کے استعمال کرنے کا معیار ان کمالات اور صفات کو قرار دیا جائے جو ازلی اور ابدی ہوں۔جیسے حضرت حق تعالیٰ وجل مجدہ

ب: اس کا معیار نوری مخلوق کو بنایا جائے جیسے حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل وغیرہ

ج: نبوت عامہ بھی اس کا معیار ہے جیسے حضرات انبیائے کرام

د: نبوت خاص اور رسالت خاص بھی اس کا معیار ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

س: صحابی ہونے تابعی ہونے اور تبع تابعی ہونے کو بھی معیار بنایا گیا ہے

ش: غوث وخواجہ قطب اور مناصب جلیلہ پر فائز ہونے والے اولیائے کرام کو بھی لفظ''حضرت'' کے استعمال کی بنیاد قرار دی گئی ہے

ص: اسی طرح علمائے کرام۔صوفیائے عظام۔فضلائے روزگار کو بھی ''حضرت'' کہا گیا ہے اور آج بھی کہا جا رہا ہے

ان تمام معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نظریہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ لفظ ''حضرت'' کا وہی مستحق ہے جس کے پاس ایمان ہو اور جو مومن کامل ہو۔اور جس کے پاس ایمان نہیں ہے اور نہ وہ مومن ہے تو اُسے''حضرت'' نہ کہا جائے ورنہ کفر اور صاحب کفر کا احترام لازم آئے گا اور بات اندیشۂ کفر تک پہونچ سکتی ہے۔اگر کوئی ایسا شخص ہے جس نے بہت سے سماجی امور انجام دیئے ہوں۔معاشرتی معاملات میں بھی دلچسپی رکھتے ہوں یہ امور اپنے مقام اور اپنی حیثیت میں خوبیاں ضرور ہیں مگر ایمان نہ لانے کے سبب یہ تمام امور کالعدم ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے ان سبھی امور وخدمات کو انجام دیئے ہیں جو ایک انسان کو یا ایک چچا کو اپنے بھتیجے کے لئے کرنا چاہیئے انہوں نے کیا اور یقیناً کیا ہے مگر ایمان تو نہیں لائے اس لئے ان کے

یہ سارے خدمات ''عدم'' کی منزل میں ہیں اور رہیں گے۔ اس لئے ن خدمات میں ''معیار'' بننے کی صلاحیت ہی نہیں ۔اور نہ اس بنیاد پر انہیں ''حضرت'' کہا جاسکتا ہے۔ان خدمات میں سے کسی خدمت کا کہیں مفید ہو نا الگ بات ہے جو شاید و نادر کے زمرے میں آتا ہے مگر اس کو معیار تسلیم کیا جائے ایسا ممکن نہیں ہے۔کیونکہ شرعی اعتبار سے یہ وجہ خاص ہے جو صرف ابو طالب یا ابولہب کے لئے مخصوص ہے کسی اور کافر اور منکر اسلام کے لئے نہیں ۔اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کا معنی نہ سہی مگر اس کا مفہوم جو مترشح ہوتا ہے وہ ایمان اور مومن ہونا ہی ہے۔۔۔حضرت کہنے کی بنیاد تو صرف ایمان اور مومن ہونا ہی ہے ۔کہ اب تک جس قدر بھی استعمالات ہوئے ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔کفر اور غیر مومن نہ کبھی بنیاد ہے نہ ہی اس بنیاد پر نہ کسی کو حضرت کہا گیا ہے۔باقی رہے دوسرے معاملات مثلاً کسی کی مدد کرنا۔ مصیبت کی گھڑی میں کام آنا بے سہاروں کو سہارا دینا وغیرہ تو یہ سب کے سب ایمان کے تابع ہیں۔

اهل لغت کا نظریه

اہل لغت نے ''حضرت'' کے تمام استعمالات کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ضابطہ بیان کیا ہے جو مطالعہ کرنے سے تعلق رکھتا ہے اس بابت قریب قریب تمام اہل لغت نے ''حضرت'' کا معنی قرب،نزدیکی اور درگاہ تحریر کیا ہے نیز صاحب منجد نے یہ بھی فرمایا ہے

تطلق الحضرة عند اهل الترسل علیٰ کل کبیر یحضر عنده الناس کقولهم الحضرة العالیة تأمر بکذا (المنجد ص ۱۳۸)

ترجمہ ۔۔بارگاہ عالیہ میں حاضر باش لوگوں کے نزدیک ''حضرت'' ہر اس بڑے کے لئے بولا جاتا ہے جس کے پاس لوگ آتے ہوں جیسا کہ وہ کہتے ہیں ''حضرت عالیہ'' حکم فرماتا ہے کہ آپ ایسا کریں الخ

صاحب منجد کا یہ تحریر فرمانا لفظ ''حضرت'' کے ایک تعلق سے اس بات کا ایک اصل اور ضابطہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال ہر کسی کے لئے نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جو بڑا ہو۔اس ک مطلب یہ ہوا کہ کسی ہم عمر اور اپنے سے کسی چھوٹے کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا ہے ۔اور نہ ہر بڑے کے لئے اس کا استعمال مناسب نہیں بلکہ اس بڑے کے لئے کیا جائے جس کے پاس لوگ آتے ہیں ۔۔اور اس کے پاس آنے کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ ہدایت پائیں اور منزل رشد کی رہنمائی حاصل کریں۔ ان تمام پابندیوں نے لفظ ''حضرت'' کے استعمال کو بہت ہی محدود کردیا ہے ۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب منجد نے یہاں صرف ''کبیر'' کا استعمال کیا ہے جو مطلق ہے اور تعلق سے حکم ہے ''المطلق یجری علی اطلاقہ'' یعنی مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے اگر مطلق کی اس حیثیت عامہ کا لحاظ کیا جائے تو پر اس کا استعمال ہر کس و ناکس کے ہوسکتا ہے چاہے وہ کسی بھی حیثیت سے بڑا ہو۔مگر جب صاحب منجد نے یہ فرمایا ہے کہ ''وہ بڑا جس کے پاس حاضری کے لئے آتے ہوں'' تو اس کے پیش نظر مطلق اپنے اطلاق پر جاری نہیں بلکہ اس سے اس کا فرد کامل مراد ہے۔اور ''فرد کامل وہی ہوا کرتا ہے جس کا بڑا ہونا برقرار رہے اور عزل وسلب سے محفوظ رہے جو ایسا ہوتا ہے اس کا بڑا ہونا باقی رہتا ہے۔مثال کے طور پر اگر کسی عالم کو ''حضرت'' کہا جاتا ہے تو انہیں اس لئے ''حضرت'' نہیں کہا جاتا ہے کہ وہ کسی ادارہ کا صدر مدرس ہے یا شیخ الحدیث ہے اگر ان کے ''حضرت'' کہے جانے کی یہی وجہ ہوتی تو پھر کسی اور مدرس کو ''حضرت'' نہیں کہا جاتا مگر تجربہ ہے طلبا مدرسہ کے ہر ایک مدرس اور استاذ کو ''حضرت'' کہا کرتے ہیں اس سے صاف ہوگیا کہ ''حضرت'' کہے جانے کی وجہ ان کا منصب یا عہدہ نہیں بلکہ ان کا علمی کمال اور فنی جاہ وجلال ہے ۔طلبا صرف اپنے ادارہ کے استاد کو نہیں بلکہ دوسرے مدرسوں کے اساتذہ کو بھی ''حضرت'' کہا کرتے ہیں اور وجہ وہی کہ ان کے پاس علم ہے فن اور اس کی خوبیاں پائی جاتی ہیں اس لئے انہیں ''حضرت'' کہا کرتے ہیں ۔اس بات میں کیا شک کہ علم باقی رہتا ہے۔یہ ایک ایسی دولت ہے جو نہ کبھی فنا ہوتی ہے اور نہ اسے کوئی چھین سکتا ہے اور نہ لوٹ سکتا ہے ۔اس لئے ''کبیر'' سے وہ فرد مراد لیا جائے جس کے پاس ایسی دولت ہو جو لازوال ہو۔اور حد تو یہ ہے کہ یہ علمی دولت موت سے بھی زائل نہیں ہوتی ہے۔اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

رضینا قسمة الجبار فینا ...لنا علم وللجهال مال
والمال یفنی عن قریب ...والعلم باق لا یزال

ہم اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم سے راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم دیا اور جاہلوں کو مال ۔۔مال تو بہت جلد فنا ہوجاتا ہے اور علم باقی رہتا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا ۔۔مشاہدہ ہے دولت مند اپنی دولت کو لے کر نہیں جاتا ہے۔نواب اور بادشاہ اپنی ریاست اور اپنی بادشاہت کو لے کر نہیں جاتا ہے بلکہ سب کچھ اسی زمین پر چوڑ کر خالی ہاتھ جاتا ہے۔مگر علما کے بارے میں ایسا نہیں کہا جاسکتا ہے وہ تو اپنی دولت علم وحکمت لے کر جاتا ہے۔اسی لئے مال میں وراثت جاری ہوتی ہے اور اس کے وارثین تمام دولت کو آپس میں بانٹ لیا کرتے ہیں۔جانے والے کا علم نہ بٹتا ہے اور نہ دنیا کی کوئی طاقت اسے بانٹ سکتی ہے۔اس بنیاد پر یہی کہا جاسکتا ہے کہ سماج ومعاشرہ میں وہی بڑا ہوتا ہے جو عالم دین اور فاضل متین ہوا کرتا ہے۔نہ وہ مفلس ہوتا ہے اور نہ اس کا ہاتھ خالی رہتا ہے۔اس لئے عالم دین جب تک دنیا میں رہتا ہے لوگ انہیں ''حضرت'' کہا کرتے ہیں اور جب وہ دنیا سے چلا جاتا ہے پھر بھی لوگ انہیں ''حضرت'' کہتے ہیں کیونکہ ''حضرت'' کہنے کی جو بنیاد ہے وہ باقی رہتی ہے۔اور وہ بنیاد ''دینی عظمت اور شرعی فضیلت ہے۔۔اور اگر دینی عظمت وفصیلت کے علاوہ کسی دنیوی یا منصبی عظمت کو بنیاد قرار دی جائے تو یہ لفظ ''حضرت'' کے اصول وقواعد اور اس کے نزاکتوں کے خلاف ہوگا۔کیونکہ یہ عظمت تو آتی جاتی ہے آج میرے پاس

ہے تو کل کسی اور کے پاس اور پھر کسی تیسرے کے پاس۔ اگر دیکھا جاتا ہے جب تک اس کے پاس منصب ہوتا ہے تو وہ ’’حضرت‘‘ ہے اور جب منصب چلا جاتا ہے یا چھین لیا جاتا ہے تو اسے ’’حضرت‘‘ کہنے کی بات تو الگ ہے کوئی سلام کرنے کو تیار نہیں۔ آج عزت اور کل اس کی ذلت لفظ ’’حضرت‘‘ ایسے کسی حادثہ کا متحمل نہیں۔

حضرت وہ ہوا کرتا ہے جس کے پاس لوگ آتے ہوں اور حاضری دیتے ہوں۔ یہاں آنے کا مقصد افادۂ دینی ہے نہ کوئی اور مفاد۔ علما اور مشائخ کے پاس ہی لوگ افادۂ دینی کے لئے آتے ہیں اور آنے والے اپنے اس مفاد میں مخلص ہوا کرتے ہیں۔ کسی ایم پی کسی ایم اے لے یا کسی نیتا کے پاس آنے کا مقصد کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ دنیاوی غرض وغایت اور اپنے ذاتی مفاد کیا ہے یہ تو ڈھلتی ہوئی چھایا ہے اسے کس منھ سے حضرت کہنے کی بنیاد بنائی جائے یہ تو میری سمجھ سے باہر ہے ہے ہاں اس بنیاد پر انہیں سر کہیئے جناب کہیئے اس سے کون روکتا ہے مگر حضرت مت کہیئے کہ اس میں بڑا تقدس ہوا کرتا ہے۔

لفظ ’’حضرت‘‘ اور عرف وسماج

ہمارے سماج ومعاشرہ میں ’’حضرت‘‘ کہنے کی روایت ملتی ہے۔ مگر کسی عالم کے لئے کسی امام کے لئے اور کسی مفتی وقاضی کے لئے۔ کوئی بھی کسی نیتا یا کسی لیڈر اور منبر کو ’’حضرت‘‘ کہتے نہ میں نے سنا ہے اور نہ کسی نے کہا ہے۔ سر، جناب اور حضور کہنے کی روایت تو ضرور ملتی ہے لہٰذا جو روایت ملتی ہے اسی کا استعمال کیا جائے اور حضرت جیسے پاکیزہ الفاظ کے استعمال سے جہاں تک ہو سکے احتراز کیا جائے۔ کسی بادشاہ وقت یا نواب اور راجہ کو بھی ’’حضرت‘‘ کہنے کی روایت ملتی ہے۔ اس کی وجہ ان افراد کے منصبی رتبہ و مرتبہ کا دیرپا ہونا ہے۔ یا انہیں حضرت کہنے کی روایت صرف ایک حلقہ تک محدود ہے اور اس محدود حلقہ سے باہر کے لوگ جو انہیں حضرت کہا کرتے ہیں کسی دباؤ میں کہتے ہیں یا پھر کسی انجانے خوف کے سبب۔ اس لئے اس کی حیثیت کسی ’’مقیس علیہ‘‘ کی نہیں۔۔ اور جو لوگ کسی کو مذاق میں یا طنزیہ انداز میں حضرت کہا کرتے ہیں تو یہ صرف ایک حادثہ ہوا کرتا ہے اس کے علاوہ اس کی اور کوئی حیثیت نہیں ہے۔

ابوطالب کے نام کے ساتھ ’’حضرت‘‘ کا استعمال

ابوطالب کو کون نہیں جانتا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور حضرت علی کے والد تھے۔ انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کیا کیا؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں بلکہ روز روشن کی مانند روشن ہے۔ مگر یہ معاملات اسی وقت کارگر اور مؤثر ہوتے ہیں جب ان کے ساتھ ایمان ویقین کی رعنائیاں پائی جاتی ہیں اور اگر ایسا نہیں ہوا کرتا ہے تو لوگ اسے نظر انداز کر دیا کرتے ہیں ۔۔ دور حاضر میں بھی بہت سے غیر مسلم اپنے اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سماجی ومعاشرتی طور طریقے برتا کرتے ہیں جن کی وجہ سے کسی کا بھی دل اس کی جانب قدرے مائل ہو جایا کرتا ہے۔ اس کی عزت کرتا ہے اس کا استقبال کرتا ہے اسے سر اور جناب کرتا ہے اس کا شکریہ بھی ادا کرتا ہے مگر کوئی اسے ’’حضرت‘‘ نہیں کہتا ہے۔ ابوطالب کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک میں جو خوبصورت جذبہ تھا آپ نے اس جذبہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: چچا جان ایمان لے آیئے کلمہ پڑھ لیجیے۔ اس التماس ابوطالب نے کہا لوگ ہمیں طعنہ دیں گے۔ یہاں تک آپ نے فرمایا: میرے کان میں کلمہ پڑھ دیجئے مگر انہوں نے کہا: اخترت النار علی العار‘‘ یعنی میں طعنہ پر جہنم کو ترجیح دیتا ہوں۔ اسی تعلق سے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

’’انك لا تهدى من احببت‘‘ بے شک آپ منزل تک نہیں پہونچا سکتے جنھیں آپ پسند کرتے ہیں۔ اس آیت پاک سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ابطالب ایمان ویقین سے مستفیض نہیں ہو پائے۔ اس لئے آہ کا حسن رویہ بھی بے نتیجہ رہا۔ اور عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ اس لئے میرا ماننا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ ’’حضرت‘‘ کا سابقہ مناسب نہیں اور نہ ہی اس سابقہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ جہاں تک ان کے ’’حسن رویہ‘‘ کی بات ہے تو اس بارے میں عرض ہے کہ اسے انسانیت اور قرابت داری کے جذوں سے مملو تو ہوسکتا ہے مگر ایمان نہ لانے کے سبب اسے ’’عظمت دینی‘‘ کے زمرہ میں نہیں لایا جاسکتا ہے اس لئے ابوطالب کو ’’حضرت‘‘ نہ کہا جائے۔ پھر وہ حسن رویہ کسی کو متاثر کرسکتا ہے جو عملی طور پر پایا جائے صرف اس کا خوشگوار تصور کسی کلمہ تعظیم کا مستحق نہیں۔ جو انہیں حضرت کہتے ہیں یا ان کی وکالت وترجمانی کرتے ہیں میرے خیال میں اس رویہ کو دینی عظمت کے طور پر لیتے ہیں یا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں انہیں مشورہ دیتا ہوں کے جذبات کے رو میں بہیں نہ بلکہ ٹھہر کر فکر وشعور سے کام لیں اور تفکر کو بروئے کار لاتے ہوئے اصل حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔۔

’’حضرت‘‘ کا مفہوم ایمان اور مومن ہو سکتا ھے

کسی لفظ کے تعلق سے لغات میں جو معانی بیان کئے جاتے ہیں وہی کافی نہیں ہوتے کیونکہ لفظ کے معنی ومفہوم میں تغیر وتبدل اور وسعت وارتقا محل استعمال کے سبب ہوتے رہتے ہیں۔ اس بنیاد پر کہا جاتا ہے جب لفظ ’’حضرت‘‘ کسی عظیم شخصیت کی کی چیز میں ہوتا ہے تو اس کا معنی کچھ اور ہوتا ہے اور جب شخصیت سے الگ ہوا کرتا ہے تو اس کا ایک سادہ سا مفہوم ہوتا ہے کہ وہ ایک کلمہ تعظیم ہے اور بس۔ جب کسی صاحب ایمان اور عالی مرتبت نیز رتبہ عالیہ کی حامل شخصیت کے ساتھ اس کا سابقہ ہوتا ہے تو اس میں ایمان ویقین کی رمق آ ہی جاتی ہے اور اس کے مفہوم میں ایمان وایقان شامل ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جن افراد نے ابوطالب کے ساتھ حضرت کا استعمال کیا ہے انہوں اس لفظ کو کفر کا آئینہ دار بنا دیا ہے۔ اس رویہ سے اس لفظ کا تقدس پائمال ہو رہا ہے۔۔ اس پر غور کریں اور سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں اس لفظ کے تعلق سے اپنا عندیہ پیش کر دیا ہے۔ اوروں کا اس تعلق سے کیا نظریہ ہے وہ جانے اور اس کا کام جانے ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں۔

مسلم معاشرے کی خرابیاں اور ان کی اصلاح

غلام جیلانی جامعی: نائب مدیر سہ ماہی مسلک اعلیٰ حضرت مظفر پور

عصر حاضر میں جب ہم مسلم معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑے دکھ کے ساتھ ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج ہمارا یہ مسلم معاشرہ جن خرابیوں سے دوچار ہے وہ بیان سے باہر ہے ان سے اگر ہم نے جلد از جلد نجات پانے کی کوشش نہیں کی تو پھر وہ دن دور نہیں جب ہمیں تباہی و بربادی اور ذلت ورسوائی کے غار عمیق میں گرنے سے کوئی بچا نہیں سکتا، المیہ یہ ہے کہ کل کے مسلمانوں نے جن معاشرتی خرابیوں سے اپنے آپ کو کوسوں دور رکھا تھا آج وہی خرابیاں ہمارے اندر بنام تہذیب فروغ پا رہیں، اور ہمیں دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے کمزور کر کے ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔

ذیل میں چند ایسی ہی خرابیوں کی نشاندہی کی جارہی ہے جن کی اصلاح کے لئے ہم میں سے ہر ایک کو آگے آنا ہوگا؛

عصبیت و تنگ نظری: اسلام دنیا کا وہ واحد مذہب ہے جس نے سماجی مساوات کا نعرہ بلند کر کے دنیا سے ذات پات کی تفریق، اونچ نیچ کی خلیج اور چھوٹے بڑے کے ناپاک تصور کو یہ کہہ کر ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا کہ "کلکم من آدم وآدم من تراب" تم سب آدم کے بیٹے ہو اور آدم کو مٹی سے پیدا کیا گیا، یعنی تمہارا تعلق کسی بھی خاندان، کسی بھی علاقے اور کسی بھی برادری سے ہو تم سب بھائی بھائی ہو، کیوں کہ تم سب ایک باپ کے بیٹے ہو، مساوات کا کتنا پاکیزہ تصور اسلام نے عطا کیا ہے اس کی ایک خوبصورت جھلک آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے میں بھی دیکھئے جو انہوں نے حجۃ الوداع کے موقع سے دیا تھا، آپ نے فرمایا: "اے لوگو! سن لو کہ تمہارا پروردگار ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر یا عجمی کو عربی پر، کالے کو گورے پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت و برتری نہیں مگر صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی بنا پر" گویا یہ اس سچائی کا اعلان تھا کہ انسان کی فضیلت نہ خاندان پر موقوف ہے، نہ رنگ و نسل پر، نہ علاقے پر، نہ سرمایے پر، نہ محض علم، عہدے اور منصب پر بلکہ بڑائی اور بزرگی صرف تقوی، پرہیزگاری، خوف خدا، کردار کی پاکیزگی، جمالِ سیرت، خشیت ربانی، محبت رسول اور حسن عمل پر منحصر ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو قوم اپنے آقا و مولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پیغام حق کی داعی اور مبلغ بنائی گئی وہ آج اس فرمان سے کوسوں دور ہے، آج ہمارا معاشرہ ذات و نسل کی بنیاد پر طبقوں میں منقسم ہے، ہم ایک دوسرے کو نیچی نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اعلیٰ اور ادنی کی بنیاد پر گروہ بناتے ہیں، ذات پات کی تفریق، علاقائیت کی وبا اور رنگ و نسل کا امتیاز ہمارے اعصاب پر بری طرح سوار ہے، آج ہم انسانیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردانہ معاملہ نہیں کرتے بلکہ اس کے حسب و نسب، قوم و علاقہ اور اس کے سیاسی اور سماجی پس منظر میں معاشرت و معاملت کرتے ہیں، ایک طرف اپنے مفاد کے لئے سیاست کے کھلاڑی اپنی شطرنجی چال سے ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہے ہیں تو دوسری طرف خود ہمارے بیچ میں خود ساختہ امتیازات اور تفریق کی وہ دیوار حائل ہے کہ مخلوق خدا اس کی وجہ سے نفرت اور عصبیت کا شکار ہوتی جارہی ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنی روش کو بدلیں اور ایک ایسا معاشرہ قائم کریں جہاں بھائی چارہ کا ماحول اور خوشگوار فضا ہو، جہاں ہر فرد اپنے بھائی کے دکھ سکھ کو اپنا دکھ سکھ سمجھ سکے، جہاں ہر شخص آپسی انتشار و افتراق، عصبیت و تنگ نظری اور نفرت و عداوت کو ختم کر کے اتحاد و اتفاق کے دامن کو مضبوطی سے تھام لے، جس کا حکم ہمارے پروردگار نے بھی دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے" انما المؤمنون اخوۃ فاصلحوا بین اخویکم واتقوا اللہ لعلکم ترحمون" (الحجرات) مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے بھائیوں میں صلح کرو اور اللہ سے ڈرو کہ تم پر رحمت ہو۔

مطالبئہ جہیز: آج ہمارے معاشرے میں ایک تباہ کن رسم جو بڑی تیزی سے عام ہوتی جارہی ہے وہ ہے "مطالبئہ جہیز" یہ آج کل ایک بڑی لعنت کی شکل اختیار کر چکا ہے، شادی جو زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے اس خوشی کو مطالبہ جہیز جیسی فضول رسم کے بوجھ تلے دبا کر اسے زحمت بنا دیا گیا ہے، جس کے سبب نہ جانے کتنی زندگیاں تباہ ہو رہی ہے، کتنے گھر اجڑ رہے ہیں اور نہ جانے کتنے ارمانوں کا جنازہ نکل رہا ہے۔

آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "بہترین شادی وہ ہے جس میں خرچ کم ہو" (مشکوۃ المصابیح باب النکاح) مگر آج کل جہیز کے لین دین اور اس کے باعث پیدا ہونے والے مسائل نے شادی خانہ آبادی کو "شادی خانہ بربادی" بنا دیا ہے، اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب والدین لڑکوں کی شادی کرتے ہیں تو وہ یہ نہیں سوچتے کہ شادی کا مقصد دو خاندانوں کو جوڑنا ہے بلکہ وہ یہ سوچتے ہیں کہ دوسرے خاندان میں اپنے بیٹے کو بیچنا ہے

یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی لڑکی والا رشتے کا پیغام لے کر لڑکے والے کے پاس آتا ہے تو سب سے پہلے نقد رقم اور من پسند ساز و سامان کا مطالبہ ہوتا ہے، مگر ایسے لالچی والدین یہ نہیں سوچتے کہ اس وقت لڑکی والے پر کیا گزرتی ہے، ایسے خود غرض اور مفاد پرست اس بھیانک انجام سے بھی بے خبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بیٹی جیسی عظیم دولت سے نوازا ہے اور کل یہی صورت حال ان کے سامنے بھی آسکتی ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ اس معاشرتی لعنت کی وجہ سے وہ لڑکیاں جنہیں اللہ کے رسول نے رحمت قرار دیا تھا اپنے والدین کے لئے زحمت بنی ہوئی ہیں، لڑکی کے والدین صاحب حیثیت ہوں تو جہیز کے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اگر لڑکی غریب گھرانے کی ہو تو لڑکی کا باپ جہیز اکٹھا کرنے کی فکر میں ہی مرض و موت کا شکار ہو جاتا ہے یا بعض اوقات غریب والدین قرض لے کر بھی شادی کرتے ہیں تو تمام عمر قرض کی ادائیگی میں گزر جاتی

ہے کیوں کہ عموماً ان کے سر پر ایک نہیں کئی ایک لڑکیوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

ذرا سوچیں کیا ہم وہی مسلمان ہیں جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو غمگین دیکھ بے چین ہو جایا کرتا تھا، ایک دوسرے کے سکھ دکھ کا ساتھی تھا، ''نہیں'' ہم تو اپنے ہی بھائیوں کا خون چوس کر اپنے لئے سامان عیش ونشاط فراہم کر رہے ہیں اس سے غافل ہو کر کہ ہماری اس حرکت سے نہ جانے کتنے مسکراتے خاندانوں پر بجلیاں گر رہی ہوں گی اور کتنے ارمانوں کا خون ہو رہا ہے، خدارا بند کریں اس تباہ کن رسم کو اور ڈریں اس پروردگار سے جس کا ارشاد گرامی ہے ''یا ایھا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل'' اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔

بداخلاقی: آج ہماری بداخلاقی، بدسلوکی اور حیاسوز حرکتوں کی وجہ سے انسانی اور سماجی قدریں ایک ایک کر کے ہم سے رخصت ہوتی جا رہی ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ آئے دن اختلاف وانتشار کے گہرے گہرے ہوتے جا رہے ہیں، آپسی رسہ کشی میں اضافہ ہو رہا ہے، فتنہ وفساد کے اندھیرے ہر طرف پھیلتے جا رہے ہیں۔

ذرا سوچیں! ہمیں تو یہ درس دیا گیا تھا کہ ہم اپنے حسن اخلاق سے دوسروں کو متاثر کریں، اپنی عادت واطوار اور حرکت وعمل سے اسلام کی آفاقیت کا نقش غیر مسلموں کے دلوں پر بھی قائم کریں، لیکن یہاں تو اخلاقی گراوٹ کا حال یہ ہے کہ ہمارے چہرے پر ہر وقت جلال کی کیفیت ہوتی ہے، گفتگو میں نرمی نہیں، چہرہ پر تبسم نہیں، بات میں مٹھاس نہیں اور آپسی میل میلاپ نہیں۔ بھلا بتلائیے ہماری اخلاقی پستی کا یہی حال رہا تو معاشرے میں محبت، شفقت، اخوت، مروت، امن اور سلامتی کی فضا کیسے ہموار ہوگی۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے آپ کو حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ کریں کیوں کہ حسن اخلاق ہی ایک ایسی خوبی ہے جس کے ذریعے انسان دین ودنیا کی سرخروئی حاصل کر سکتا ہے، عوام الناس کے دلوں میں جگہ بنا سکتا ہے، دشمنوں کے دل جیت سکتا اور کل میدان محشر میں اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کی لذتوں لطف اندوز ہو سکتا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''قیامت کے دن تم میں سے میرے نزدیک سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے اور اسے قیامت کے دن اپنے سب سے زیادہ قریب بٹھاؤں گا جس کے اخلاق لوگوں کے ساتھ اچھے ہیں'' (جامع ترمذی، ج 4 ص 370) ایک دوسری حدیث جسے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کر دی گئی ہے جو شخص لوگوں کے ساتھ نرم خو ہے اور جو اپنی طبیعت نرمی کی وجہ سے لوگوں کے قریب رہتا ہے'' (جامع ترمذی ج 4 ص 654)

سبحان اللہ ایک مومن کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خود کو اخلاق کی دولت سے مزین کر لے تو اسے بروز قیامت اپنے آقا کا قرب بھی ملے گا اور جہنم کی آگ سے آزادی بھی۔

حصول علم سے بے اعتنائی:

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں کوئی بھی ذی شعور اور بالغ نظر انسان تعلیم کی اہمیت وافادیت سے انکار نہیں کر سکتا، جملہ ارباب فکر ودانش کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دین ودنیا کی جملہ سعادتوں کی حصولیابی کا اہم ترین ذریعہ علم ہی ہے، علم کے بغیر ترقی کی شاہراہوں کو عبور کرنا کاغذ کے پھولوں سے خوشبو کی امید رکھنا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ہر حساس قوم نے علم کی آفاقیت کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ماننے والوں کو اس کے حصول کی ترغیب وتلقین کی ہے، کیوں کہ جینے کا طریقہ، زندگی کا شعور، خیر وشر کی تمیز، ترقی کا راز اور تہذیب وتمدن یہ ساری چیزیں علم ہی کے دامن سے ہی وابستہ ہیں، اور ہمارا دین اسلام چونکہ دین ودنیا دونوں کی بھلائی کی بات کرتا ہے اس لئے اس نے اپنے ماننے والوں کو حصول علم کی طرف زیادہ توجہ دلائی ہے، بلکہ اسلام نے حصول علم کو فرض قرار دیا ہے، آقا علیہ السلام نے فرمایا ''طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ'' یعنی علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح سے معاشرہ میں علم کا انقلاب لانا چاہتے تھے، علم سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اللہ کے رسول نے بدر کے قیدی کو قدیم روایات کے مطابق غلام بنانا پسند نہیں فرمایا، بلکہ تاریخ انسانی کا پہلا اور آخری فیصلہ یہ تھا کہ تم میں جو پڑھا لکھا ہے وہ دس افراد کو پڑھنا اور لکھنا سکھا دے۔

سبحان اللہ! ایک دشمن جاں سے بھی تعلیم حاصل کرنے کا جذبہ یہ پیغمبر ہی عطا فرماتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس مذہب نے تعلیم پر اتنا زور دیا ہو اس کے ماننے والے تعلیم کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟

ایک دور تھا کہ علم مسلمانوں کے ذریعے سے جانا اور پہچانا جاتا تھا، ہر چہار جانب ہماری علمی شوکت وسرفرازی اور فکری وقار وبلندی کے چرچے تھے، ہمارا ماضی اس قدر تابناک تھا کہ پوری دنیا کی علمی قیادت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی، لیکن جیسے جیسے علم سے ہمارا رشتہ کمزور ہوتا گیا ہماری حالت بد سے بدتر ہوتی چلی، اور آج مسلمانوں کی حالت سچر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق دلت سے بھی بدتر ہے، کیا یہ رپورٹ ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی نہیں ہے کہ تعلیمی پچھڑے پن کی وجہ سے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالت انتہائی تشویشناک ہے۔

یاد رکھئے جب ہوا موافق ہو تو سست رفتاری کے ساتھ بھی منزل تک پہنچ سکتے ہیں، لیکن ہوا مخالف ہو تو رفتار بڑھانی پڑتی ہے، ہمیں تعلیمی میدان میں برق رفتاری سے آگے بڑھنا ہوگا، نئی نسلوں میں علم کی روح پھونکنی ہوگی، تازہ حوصلوں اور نئی امنگوں کے ساتھ اس میدان کارزار میں اترنا ہوگا تا کہ جلد از جلد دنیا کے منظر نامے پر ہم اپنی شناخت قائم کر سکیں اور ہمیں برسوں سے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کرنے میں مکمل طور سے کامیابی مل سکے

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
تمہارے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

شب برأت کے فضائل و معمولات

محمد آل مصطفی رضوی مرکزی، محمد پور مبارک مظفر پور بہار

یوں تو سارے دن اور سارے مہینے اللہ تبارک و تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں مگر کچھ لمحات، کچھ دن اور کچھ ماہ ایسے ہیں جن میں رب کے فیضان اور اس کی تجلیوں کی برسات کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے انہیں میں ایک فیض بخش اور کرم پاش مہینہ شعبان المعظم بھی ہے جو اپنے ساتھ نجات و مغفرت کا مژدۂ جانفزا لے کر آتا ہے آیئے اس رات کی مخصوص عبادات کی لذتوں سے ہم اور آپ بھی سرشاری حاصل کریں۔

ماہ شعبان کی پندرہویں رات کا نام شب براءت یعنی نجات کی رات ہے۔اس بابرکت رات کے چار نام ہیں۔لیلۃ البراءۃ نجات والی رات لیلۃ الرحمۃ رحمت والی رات لیلۃ المبارکۃ برکت والی رات لیلۃ الصّک نجات کا پروانہ اور چیک ملنے والی رات۔(صاوی)

قرآن مجید میں خداوند قدوس نے اس مبارک رات کا ذکر اس طرح فرمایا کہ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ''اس رات میں ہمارے حکم سے ہر حکمت والا کام تقسیم کر دیا جاتا ہے''(سورہ دخان)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شعبان میرا مہینہ ہے اور رجب اللہ کا اور رمضان میری امت کا، شعبان گناہوں کو دور کرنے والا اور رمضان بالکل پاک کر دینے والا مہینہ ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رجب اور رمضان کے درمیان شعبان کا مہینہ ہے لوگ اس کی طرف غفلت کرتے ہیں حالانکہ اس ماہ میں بندوں کے اعمال اللہ رب العزت کے حضور پیش کئے جاتے ہیں ،اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں (غنیۃ الطالبین)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو آسمان دنیا کی طرف تجلی خاص فرماتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے جتنے بال ہیں اس سے زیادہ تعداد میں میری امت کی مغفرت فرماتا ہے(ترمذی، ابن ماجہ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل میری خدمت میں شعبان کی پندرہوں رات کو حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! سرانور کو آسمان کی طرف بلند فرمائے ۔میں نے کہاں یہ کون سی رات ہے؟ تو جبرئیل نے عرض کی یہ مبارک رات ہے،اللہ تعالیٰ اس رات میں رحمت کے تین سو دروازے کھولتا ہے اور سب مسلمانوں کو بخشتا ہے سوائے بدمذہبوں، مشرکوں، جادوگروں، کاہنوں، زنا پر اصرار کرنے والوں، مستقل شرابیوں کے،ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں جھگڑا ڈالنے والے۔دوسری حدیث میں ہے سود خوروں، تکبرانہ انداز سے پائجامہ اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والوں، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والوں۔ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ اس وقت تک مغفرت نہیں فرماتا جب تک کہ وہ ان برائیوں کو ترک کر کے یا چھوڑنے کا مصمم ارادہ کر کے توبہ و استغفار نہ کرلیں۔

امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب شعبان کی پندرہویں شب ہو تو اس میں نوافل پڑھو اور پندرہ کو دن میں روزہ رکھو۔بے شک وہ رات برکت والی ہے۔اللہ تعالیٰ اس مبارک رات میں ارشاد فرماتا ہے کون ہے مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کو بخش دوں اور کون ہے عافیت طلب کرنے والا کہ میں اس کو عافیت عطا کروں اور کون ہے روزی طلب کرنے والا کہ میں اس کو روزی عطا کروں۔ہے کوئی مانگنے والا،صبح صادق طلوع ہونے تک یہ ندائیں اور بخششیں ہوتی رہتی ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! کیا جانتی ہو کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ نے عرض کی یارسول اللہ! ارشاد فرمایئے کہ اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ سال بھر میں جو پیدا ہونے والے ہوتے ہیں وہ اس شب میں لکھ دیئے جاتے ہیں اور سال بھر میں جتنے ہلاک ہونے والے ہیں وہ بھی لکھ لئے جاتے ہیں اور اسی شب میں ان کے اعمال بلند کئے جاتے اور اس میں ان کے رزق اتارے جاتے ہیں۔

شب براءت میں مندرجہ ذیل نیک عمل کرنا چاہیے:(۱) شب براءت میں جو کچھ بھی میسر ہو بکثرت صدقہ و خیرات کیجیے تاکہ روزی میں برکت ہو۔(۲) شب براءت میں اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب اور دوسرے لوگوں کو برے کاموں کے کرنے سے منع کیجیے اور اپنے آپ کو بھی برائیوں سے بچایئے۔(۳) شب براءت میں کثرت سے نفل نماز پڑھیے(۴) شب براءت میں نفل سے بہتر ہے کہ ''نماز قضائے عمری'' پڑھیں۔(۵) شب براءت میں رشتہ دار، دوست احباب سے حسن سلوک اور محبت کرنی چاہیے، کیوں کہ رشتہ توڑنے والے، دوستی کاٹنے والے رحمت سے محروم کر دیے جاتے ہیں ۔(٦) کھانا تیار کر کے غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کو کھلانا چاہیے، کیوں کہ ہر کھانے کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔بلکہ ایک روایت میں ہے کہ جو کوئی شب براءت میں کھانا، کپڑا یا نقد جو ہو سکے صدقہ و خیرات کرے گا، خداوند قدوس اس کی ہر چیز میں خیر و برکت عطا فرمائے گا اور اس کی روزی میں کشادگی عطا فرمائے گا۔

روزہ کی فضیلت:۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے شعبان

میں ایک دن روزہ رکھا اس کو میری شفاعت حلال ہوگئی ایک اور حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص شعبان کی پندرہ تاریخ کو روزہ رکھے گا اُسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔

سال بھر جادو سے حفاظت:۔ جو شخص شب براءت میں سات پتے بیری کے پانی میں جوش دے کر غسل کرے گا تو انشاء اللہ تعالیٰ پورے سال تک جادوں کے اثر سے محفوظ رہے گا۔

چار سو سال کی عبادت کا ثواب:۔ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پہاڑ پر تشریف فرما ہوئے۔ اور وہاں ایک خوبصورت گنبد نما بلند پتھر دیکھا۔ آپ تعجب سے اُس کے گرد گھومنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ کیا تمہاری خواہش ہے کہ اس پتھر کا راز تم پر ظاہر کردوں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کی الٰہی میری تمنا تو یہی ہے۔ اتنے میں پتھر شق ہوگیا۔ تو آپ نے دیکھا کہ ایک آدمی عبادت میں مشغول ہے اور اس کے قریب ہی ایک انگور کی بیل ہے۔ اور ایک نہر جاری ہے۔ اُس شخص نے کہا کہ یہی انگور میں ہر روز کھاتا ہوں اور اس نہر کا پانی پیتا ہوں۔ اور اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم اس پتھر کے اندر کتنے دنوں سے عبادت کرتے ہو؟ اُس نے کہاں کہ چار سو برس سے۔ یہ سُن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ شاید اس شخص جیسی عبادت تو تیرے کسی بندے نے نہیں کی ہوگی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا جو اُمتی شعبان کی پندرہویں رات میں دو رکعت نماز پڑھے گا وہ اس کی چار سو برس کی عبادت سے بہتر و افضل ہوگا۔ یہ سُن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے اللہ تو مجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں داخل فرمالے۔ (روض الافکار، نزہۃ المجالس)

شب براءت کی نماز و اوراد:۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص اس رات میں سو رکعات پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس سو فرشتہ بھیجے گا جن میں سے تیس فرشتے اس کو جنت کی بشارت دیں گے اور تیس اس کو جہنم کے عذاب سے بچائیں گے اور تیس دنیا کی آفتوں اور بلاؤں کو اس سے دور رکھیں گے اور دس فرشتے اس کو شیطان کے مکر و فریب سے بچائیں گے۔ (تفسیر کبیر)

شب برات میں بعد نماز مغرب چھ رکعات نفل دو دو رکعت کی نیت سے پڑھنا بھی منقول ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہیکہ پہلی دو رکعات کے بعد ایک بار سورہ یٰسین شریف یا اکیس بار سورہ اخلاص پڑھ کر دعائے شب براء ت پڑھے اور خیر و عافیت کے ساتھ درازی عمر کے لئے دعا مانگے قبول ہوگی پھر دو رکعت کے بعد سورہ یٰسین شریف یا اکیس بار سورہ اخلاص کے بعد دعائے نصف شعبان ایک بار پڑھ کر دفع بلا کی دعا کرے پھر دو رکعت کے بعد سورہ یٰسین یا سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر مخلوقات کا محتاج نہ ہونے کی دعا مانگے۔

شب براءت کی مشہور اور مجرب دعا اگر ممکن ہو تو شب براءت میں "دعائے شب براء ت" پڑھیں کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں جو مسلمان اس دعا کو شب براءت میں پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کو بُری موت یا ناگہانی موت سے محفوظ رکھے گا وہ مبارک دعا یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ یَا ذَاالْمَنِّ وَلَا یُمَنُّ عَلَیْہِ یَا ذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا ذَاالطَّوْلِ وَالْاِنْعَامِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ ظَھْرُ اللَّاجِیْنَ وَجَارُ الْمُسْتَجِیْرِیْنَ وَاَمَانُ الْخَائِفِیْنَ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ کَتَبْتَنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ شَقِیًّا اَوْ مَحْرُوْمًا اَوْ مَطْرُوْدًا اَوْ مُقَتَّرًا عَلَیَّ فِی الرِّزْقِ فَامْحُ اَللّٰھُمَّ بِفَضْلِکَ شَقَاوَتِیْ وَحِرْمَانِیْ وَطَرْدِیْ وَاقْتِتَارَ رِزْقِیْ وَاَثْبِتْنِیْ عِنْدَکَ فِیْ اُمِّ الْکِتَابِ سَعِیْدًا مَّرْزُوْقًا مُّوَفَّقًا لِّلْخَیْرَاتِ فَاِنَّکَ قُلْتَ وَقَوْلُکَ الْحَقُّ فِیْ کِتَابِکَ الْمُنْزَلِ عَلٰی لِسَانِ نَبِیِّکَ الْمُرْسَلِ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ وَعِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتٰبِ اِلٰھِیْ بِالتَّجَلِّیِّ الْاَعْظَمِ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَھْرِ شَعْبَانَ الْمُکَرَّمِ الَّتِیْ یُفْرَقُ فِیْھَا کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ وَّیُبْرَمُ اَنْ تَکْشِفَ عَنَّا مِنَ الْبَلَآءِ وَالْبَلْوَآءِ مَا نَعْلَمُ وَمَا لَا نَعْلَمُ وَمَا اَنْتَ بِہٖ اَعْلَمُ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (ماجانی فی شعبان، ص:۱۰۵)

رزق میں برکت اور کاروبار کی ترقی کیلئے: دو رکعت نماز ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیت الکرسی ایک مرتبہ، سورہ اخلاص پندرہ مرتبہ پڑھیں۔ سلام کے بعد سو مرتبہ درود شریف پڑھیں پھر تین سو تیرہ مرتبہ یَا وَھَّابُ یَا بَاسِطُ یَا رَزَّاقُ یَا مَنَّانُ یَا لَطِیْفُ یَا غَنِیُّ یَا مُغْنِیُّ یَا عَزِیْزُ یَا قَادِرُ یَا مُقْتَدِرُ کا وظیفہ پڑھنے سے کاروبار میں برکت اور رزق میں وسعت ہوجاتی ہے۔

حج اور عمرہ کا ثواب: جو شخص چار رکعت نفل نماز پڑھے اور ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص تین مرتبہ پڑھے، انشاء اللہ تعالیٰ اس کو اللہ تعالیٰ ایک حج اور عمرہ کا ثواب عنایت فرمائے گا۔

صلوٰۃ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا: آٹھ رکعت نماز ایک سلام اور چار قعدہ کے ساتھ ادا کرے۔ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص (قل ھو اللہ احد) گیارہ بار پڑھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو کوئی اس نماز کو ماہِ شعبان میں پڑھے اور مجھے اس نماز کا ثواب پہنچائے میں اس کی شفاعت کئے بغیر جنت میں قدم نہ رکھوں گی۔

عمر طبعی میں برکت ہوگی:۔ جو شخص شعبان المعظم کی پندرہویں رات کو بارہ رکعات نفل نمازیں اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص دس مرتبہ پڑھے تو اس کی تمام سیاہ کاریاں مٹادی جائیں گی اور اس کی عمر طبعی میں برکت دی جائے گی۔

ایمان پر خاتمہ:۔ جو شخص ماہِ شعبان المعظم کے آخری جمعہ کو مغرب اور عشاء کے درمیان دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس طور پر کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی ایک مرتبہ اور اور سورہ اخلاص دس مرتبہ اور سورہ فلق

اور سورہ ناس ایک ایک مرتبہ، تو اگر وہ شخص آئندہ شعبان المعظم تک مرے گا تو اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔

مفتاح الجنان میں ہے کہ جو شخص چودہ شعبان کو غروب آفتاب کے قریب چالیس مرتبہ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اور سو مرتبہ درود شریف پڑھے گا تو ان شاء اللہ تعالیٰ آفتوں اور مصیبتوں سے سال بھر تک محفوظ رہے گا اس کے چالیس کے گناہ بخش دے گا اور جنت میں چالیس حوریں اس کی خدمت کے لئے مقرر فرمائے گا۔

امام عارف باللہ ابوالحسن بکری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس عطا و بخشش والی رات میں یہ دعا بکثرت پڑھیں: اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَ الْعَافِیَۃَ وَ الْمُعَافَاۃَ الدَّائِمَۃَ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ جو کوئی اس دعا کو بکثرت پڑھے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا۔

آنکھوں کی روشنی بڑھے گی: علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کوئی مسلمان شب براءت میں بعد نماز عشاء غسل کر کے دونوں آنکھوں میں تین تین سلائی سرمہ لگائے اور سرمہ لگاتے وقت یہ مقدس اور نوری درود شریف پڑھتا رہے تو پورے سال تک آنکھ نہ دُکھے گی اور نہ عبادت الٰہی میں سستی و کاہلی ہوگی اور آنکھوں کی روشنی میں بہت زیادتی ہوگی اور وہ درود شریف یہ ہے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ نُوْرِکَ الْمُنِیْرِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ بَارِکْ وَ سَلِّمْ

صلوۃ التسبیح کی فضیلت: اس نماز میں بے انتہا ثواب ہے۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ اس کی بزرگی سن کر کوئی ترک نہ کرے گا مگر دین پر سستی کرنے والا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے چچا! کیا میں تم کو عطا نہ کروں؟ کیا میں تمہاری بخشش نہ کروں، کیا میں تم کو نہ دوں، کیا تمہارے ساتھ احسان نہ کروں، دس خصلتیں ہیں کہ جب تم کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخشش دے گا۔ اگلا، پچھلا، پرانا، نیا، جو بھول کر کیا اور جو قصداً کیا، چھوٹا اور بڑا، پوشیدہ اور ظاہر۔ اس کے بعد صلوۃ التسبیح کی ترکیب تعلیم فرمائی پھر فرمایا کہ اگر تم سے ہو سکے تو ہر روز ایک بار پڑھا کرو یا پھر جمعہ کے دن ایک بار یا ہر ماہ میں ایک بار یا سال میں ایک بار یہ بھی نہ ہو سکے تو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھو۔ طریقہ یہ ہے کہ نیت کے بعد تکبیر تحریمہ کہہ کر ثنا پڑھیں، پھر تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ پندرہ بار پھر تعوذ، تسمیہ، سورہ فاتحہ اور کوئی بھی سورہ پڑھ کر رکوع میں جانے سے پہلے دس بار یہی تسبیح پڑھیں پھر رکوع میں دس بار، رکوع سے سر اٹھا کر قومہ میں تحمید کے بعد دس بار سجدہ میں دس بار دونوں سجدوں کے درمیان جلسے میں دس بار، دوسرے سجدہ میں دس بار اس طرح چاروں رکعت میں پڑھیں ہر رکعت میں پچھتر (75) بار، چاروں رکعتوں میں تین سو (300) بار تسبیح پڑھی جائے گی۔ یہ واضح رہے کہ دوسری، تیسری اور چوتھی رکعتوں کے شروع میں فاتحہ سے پہلے پندرہ بار اور رکوع سے پہلے دس بار یعنی قیام میں پچیس (25) بار اور رکوع و سجود میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین مرتبہ پڑھ کر پھر تسبیح دس دس بار پڑھیں گے۔

زیارت قبور: مردوں کو قبروں کی زیارت کے لئے جانا سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی ہے اور اس کا حکم بھی دیا ہے اور اس کے فائدے اور برکتیں بھی بتائی ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے قبروں کی زیارت کروں اس لئے کہ دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ، ص 112، مشکوٰۃ المصابیح ص: 154)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رات گزارنے کی باری میرے پاس تھی تو میں نے دیکھا کہ آپ رات کو اُٹھے اور بہت آہستہ آہستہ باہر تشریف لے گئے تو میں بھی اٹھی اور آپ کے پیچھے پیچھے چلی، اس خیال سے کہ دیکھوں آپ کس بیوی کے پاس تشریف لے جاتے ہیں۔ مگر آپ جنت البقیع قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور قبرستان پہنچ کر مومنین اور مومنات اور شہداء کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگے، تو میں چپکے سے واپس آکر بستر پر لیٹ گئی۔ اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو فرمایا: اے عائشہ! کیا حال ہے کہ تمہاری سانس پھول رہی ہے؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے جب آپ کو حجرہ شریف سے باہر تشریف لے جاتے ہوئے دیکھا تو میرا خیال ہوا کہ آپ اس وقت کسی دوسری بیوی کے پاس تشریف لے جا رہے ہیں، اس لئے میں آپ کے پیچھے پیچھے گئی لیکن جب آپ جنت البقیع پہنچ کر مردوں کے لئے دعائے مغفرت فرمانے لگے تو میں تیزی سے واپس آکر بستر پر لیٹ گئی۔ یہی وجہ سانس پھولنے کی ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ تم کو یہ معلوم نہیں یہ شعبان کی پندرہویں رات (شب براءت) ہے جبرئیل امین نے مجھے آکر خبر دی ہے کہ یہ رات دوزخ سے نجات کی رات ہے اور توبہ و استغفار اور عبادت کی رات ہے۔ مگر مشرک، جادوگر، شرابی، تکبر کرنے والا، ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا، اپنے رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے والا، ان لوگوں کے لئے اس رات میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ہاں! اگر یہ لوگ اس رات کے آنے سے قبل اپنے فعلوں سے توبہ کر لیں تو وہ بھی اس کی برکتوں سے محروم نہ ہوں گے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے اس رات میں عبادت کرنے کی اجازت دو، کیوں کہ آج تمہاری باری ہے۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ آپ کے لئے اجازت ہی اجازت ہے۔ اس کے بعد آپ عبادت کے لئے کھڑے ہوئے اور جب آپ سجدے میں گئے تو سجدہ بہت دراز فرمایا۔ اس وقت میرا خیال ہوا کہ شاید حضور کی روح پاک نکل گئی۔ تو میں نے اپنا داہنا ہاتھ آپ کے قدم

مبارک پر رکھ کر اندازہ کیا تو حرکت معلوم ہوئی اور میں بے حد خوش ہوئی ۔(الترغیب والترھیب)

درود قبرستان: یہ درود شریف جس کے پڑھنے سے فوت شدہ حضرات کو عالم برزخ میں بہت فائدہ پہنچتا ہے لہذا یہ درود مردوں کے لئے بخشش کا ذریعہ ہے اس لئے اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اس کے فوت شدہ ماں باپ بخشے جائیں یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف کرے تو اسے چاہیے کہ اکتالیس روز ماں باپ کی قبروں پر جا کر اس درود کو روزانہ صبح کے وقت اکتالیس مرتبہ پڑھے اور بعد میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی مغفرت کی دعا کریں انشاء اللہ دعا قبول ہوگی اور اللہ ان کی بخشش کر دے گا اور عالم برزخ میں ان کی قبر کو مثل جنت بنا دے گا ۔اس درود شریف کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہیکہ قبرستان میں اسے پڑھنے سے روحوں کو عذاب سے نجات ملتی ہے لہذا جب کوئی قبرستان میں زیارت قبور کے لئے جائے تو اسے چاہیے کہ وہاں ایک مرتبہ یہ درود پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍمَّادَامَتِ الصَّلٰوۃُ وَصَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍمَّادَامَتِ الرَّحْمَۃُوَصَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍمَّادَامَتِ الْبَرَکَاتُ وَصَلِّ عَلیٰ رُوْحِ مُحَمَّدٍفِی الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلیٰ صُوْرَۃِ مُحَمَّدٍفِی الصُّوْرِ وَصَلِّ عَلیٰ اِسْمِ مُحَمَّدٍفِی الْاَسْمَآئِ وَصَلِّ عَلیٰ نَفْسِ مُحَمَّدٍفِی النُّفُوْسِ وَصَلِّ عَلیٰ قَلْبِ مُحَمَّدٍفِی الْقُلُوْبِ وَصَلِّ عَلیٰ قَبْرِمُحَمَّدٍفِی الْقُبُوْرِ وَصَلِّ عَلیٰ رَوْضَۃِ مُحَمَّدٍفِی الرِّیَاضِ وَصَلِّ عَلیٰ جَسَدِ مُحَمَّدٍفِی الْاَجْسَادِ وَصَلِّ عَلیٰ تُرْبَۃِمُحَمَّدٍفِی التُّرَابِ وَصَلِّ عَلیٰ خَیْرِ خَلْقِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَ ذُرِّیَاتِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَحْبَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اس رات کی فاتحہ :۔ یہ رات اپنے مُردوں اور دوسرے بزرگوں کی روحوں کو ثواب پہنچانے اور فاتحہ دلانے کے لئے بڑی خاص رات ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عید اور عاشورہ اور رجب کے پہلے جمعہ کے دن اور شعبان کی پندرہویں رات (سب براءت) اور جمعہ کی رات میں مُردوں کی رُوحیں اپنے گھروں کے دروازوں پر جا کر پکارتی ہیں کہ اے گھر والوں! ہمارے اوپر رحم وکرم اور مہربانی کرو۔آج کی رات میں ہمارے لیئے کچھ صدقہ کرو۔کیونکہ ہم لوگ ایصال وثواب کے محتاج ہیں۔ہمارے نامۂ اعمال ختم کر دیئے گئے اور تمہارے نامۂ اعمال جاری ہیں۔پس اگر یہ روحیں کچھ نہیں پاتیں تو حسرت و ناامیدی کے ساتھ واپس چلی جاتی ہیں۔(فتاویٰ خیریہ بحوالہ اتیان الارواح)

دریائے برکات :۔آسمان میں ایک دریا ہے جسے ’’دریائے برکات‘‘ کہتے ہیں اور اس کے کنارے ایک درخت ہے ،اس کو ’’درخت تحیات ‘‘ کہتے ہیں اور اس درخت پر ایک مرغ ہے اس کا نام ’’صلوات‘‘ ہے۔اس کے بہت سے پر ہیں ۔ جب کوئی بندۂ مومن شعبان کے مہینے میں سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجتا ہے تو وہ مرغ اس دریا میں غوطہ مار کے باہر آتا ہے اور اس درخت پر بیٹھ کر اپنے پروں کو جھاڑتا ہے ،اللہ تعالیٰ پانی کے ہر قطرے سے جو کہ اس کے پروں سے ٹپکتا ہے ایک ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے،اور وہ سب فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا میں مشغول ہوتے ہیں اور اس کا ثواب اس بندے کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

قضا نماز ادا کرنے کا طریقہ:۔جس شخص کی فرض نمازیں قضا ہوں اس کی نفل نمازیں قبول نہیں ہوتی ہیں لہذا ایسے شخص پر واجب ہے کہ جو فرض نمازیں فوت ہو چکی ہیں اسے پہلے ادا کرے چونکہ ہمیں معلوم نہیں کب موت آجائے اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جائیں قضا نمازوں کے ادا کرنے کی آسان ترکیب بتا رہا ہوں اگر آپ نے عمل کر لیا تو بہت اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو سکتے ہیں وہ آسان طریقہ مندرجہ ذیل ہے۔دو فجر کی ،چار ظہر ،چار عصر ،تین مغرب، چار عشاء ،اور تین وتر کل بیس رکعت ۔ ان نمازوں کو سوائے طلوع وغروب آفتاب وزوال کے (اس وقت سجدہ حرام ہے) ہر وقت ادا کر سکتا ہے۔(۱) ایک طریقہ یہ ہے کہ مثلاً کسی پر سو دن کی پوری نمازیں قضا ہیں تو پہلے فجر کی سو دن کی پوری نمازیں پڑھ لیں پھر ظہر ،عصر، مغرب،عشاء، وتر پڑھے۔(۲) دوسرا طریقہ یہ ہیکہ پہلے دن کی بیس رکعت پھر دوسرے دن کی بیس اس طرح سو دن کی قضا نمازیں مکمل کر لیں ۔نیت یوں کرے، نیت کی میں نے سب سے پہلی فجر کی جو مجھ سے قضا ہوئی واسطے اللہ تعالیٰ کے منھ میرا کعبہ شریف کی طرف اللہ اکبر۔اسی طرح ظہر، عصر، مغرب، عشاء، اور وتر کی نیت کریں۔

جس پر بہت سی نمازیں قضا ہوں اس کے لئے جلد سے جلد ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے ۔پہلی آسانی یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ میں تین تین بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کی جگہ صرف ایک ایک بار کہے مگر یہ ہمیشہ ہر طرح کی نماز میں یاد رکھنا چاہیے کہ جب آدمی رکوع میں پورا پہنچ جائے اس وقت سُبْحَان کا سین سے شروع کرے اور عظیم کے میم پر ختم کرے اس وقت رکوع سے سر اُٹھائے اسی طرح سجدہ میں ۔ دوسری آسانی یہ ہے کہ ظہر، عصر، عشاء کی چار رکعتوں والی نماز میں تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ سُبْحَانَ اللّٰہِ تین بار کہہ کر رکوع میں چلے جائیں ۔تیسری آسانی یہ ہے کہ التحیات کے بعد درود شریف اور دعائیں ماثورہ کی جگہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍوَّ اٰلِہٖ پڑھ کر سلام پھیر دیں۔چوتھی آسانی یہ ہے کہ نماز وتر کی تیسری رکعت میں دعائے قنوت کی جگہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر فقط ایک بار رَبِّ اغْفِرلِیْ کہے۔(فتاویٰ رضویہ)

حضرت مولانا قمر الزماں قمرؔ مصباحی کی نعتیہ شاعری

مولانا محمد اشرف رضا قادری، مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت

پیکرِ علم وحکمت، نازشِ شعروسخن حضرت مولانا محمد قمر الزماں قمرؔ مصباحی دام ظلہ العالی کا شمار جماعتِ اہلِ سنت کے ان باوقار علمائے ذوی الاحترام میں ہوتا ہے، جو درس وتدریس، دعوت وتبلیغ اور تصنیف وتالیف میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ موجودہ علمائے بہار میں آپ کی تہہ دار فکر وشخصیت مختلف جہات سے قابلِ تعریف اور لائقِ تقلید ہے۔ اللہ عزوجل نے آپ کو مختلف صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ آپ جہاں عالم وفاضل، درس نظامی کے ذی صلاحیت مدرس، بلند پایہ خطیب، محقق ومفکر اور مدبر وناقد ہیں، وہیں ایک قادر الکلام شاعر اور بلند پایہ ادیب بھی ہیں۔ آپ کا قلمی شعور بہت پختہ ہے۔ زبان وبیان پر ناقدانہ نظر رکھتے ہیں اور شعروسخن کے معاملے میں ”استاذ الشعراء“ کے منصبِ جلیل پر فائز ہیں۔ اب تک آپ کے ایک درجن کتب و رسائل منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور باذوق قارئین سے خراجِ تحسین وصول کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں امام احمد رضا اور خلفائے بہار/ مفتی اعظم ہند کی ادبی خدمات/ آفتاب وماہتاب، حصہ دوم/ معارفِ محدثِ اعظم بہار اور طلعتِ افکار زیرِ طبع ہیں اور منظرِ عام پر آنے کے لیے پر تول رہے ہیں۔ آپ کی تحریروں میں بلا کی جاذبیت، ادبیت، علمیت اور زورِ استدلال پایا جاتا ہے۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں، اس کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ درس وتدریس اور وعظ وتبلیغ کے علاوہ فروغِ رضویات میں بھی آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور تاج الشریعہ وحضور امین شریعت علیہما الرحمہ جیسے محتاط بزرگوں نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا ہے۔

آپ نے شعروسخن کا بڑا ستھرا ذوق پایا ہے۔ بڑی اچھی اور کامیاب شاعری کرتے ہیں۔ یوں تو مختلف اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہیں، لیکن نعت گوئی سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ مولانا موصوف کی نعتیہ شاعری عشق وعقیدت کی ترجمان اور کیف وسرور سے لبریز ہے۔ اس مبارک صنف سے انہیں عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ وہ نعت گوئی کو دنیا وآخرت کی سعادتوں کے حصول کا ذریعہ تصور کرتے ہیں اور نعت ہی کو اپنی زندگی وبندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ مطلعِ فکر وتخیل پر نعت کا سورج الفتِ شہِ ابرار کے بغیر نہیں چمک سکتا اور یہی حقیقت بھی ہے کہ شاعر کا پیمانۂ دل جب تک عشقِ رسول کی شرابِ طہور سے لبریز نہ ہو، نعت کے اشعار وجود میں نہیں آ سکتے۔ موصوف کے سینے میں ایک دھڑکتا ہوا دل ہے جو ہر آن مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد میں دھڑکتا رہتا ہے اور ان کا شعور ووجدان ہر وقت نعتِ نبی رقم کرنے کا متمنی رہتا ہے۔ وہ رب ذوالجلال سے دعا کرتا ہے کہ مولیٰ! میری زبان اور میرا قلم ہمیشہ ذکرِ نبی ونعتِ نبی سے تر رہے۔ اسی لیے تو شاعرِ موصوف کہتے ہیں:

ذکرِ نبی سے تر رہے میری زباں ، خدا فقط
اپنے قلم سے میں لکھوں نعتِ شہِ ہدیٰ فقط
نعتِ نبی لکھا کروں ، ہر دم اسے پڑھا کروں
میرا ہو مشغلہ یہی، اتنی ہے التجا فقط
الفتِ سیدِ ابرار کے صدقے میں قمر
مطلعِ فکر پہ نعتوں کا یہ دفتر چمکے

عشق وعقیدت سے مملو یہ اشعار بار بار پڑھیے اور سر دھنیے:

ہمارے نبی کا چمن خوب صورت
دہن خوب صورت بدن خوب صورت
لگا یا ہے خاکِ مزارِ مدینہ
لگے کیوں نہ میرا کفن خوب صورت
شرافت، تقدس، محبت کا داعی
شہِ دیں کا طرزِ کہن خوب صورت
ملا غم کے صدقے گلستانِ جنت
مدینے کے رنج و محن خوب صورت
عطا کر دے کنکر کو شیریں مقالی
حبیبِ خدا کا سخن خوب صورت

حمد ومناجات، تقدیسی شاعری کے دو اہم جزو ہیں۔ مقامِ الوہیت اور منصبِ ربوبیت کے پاس ولحاظ کے ساتھ عجز وفروتنی اور عاجزی وانکساری ان کے لیے ضروری ہے۔ استاذ الشعراء جناب مولانا قمر الزماں قمرؔ مصباحی کی تقدیسی شاعری کے گلستاں میں حمد ومناجات کے گل بوٹے بھی شامل ہیں۔ انہوں نے نعتیہ شاعری ومنقبت نگاری کے علاوہ حمد ومناجات میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور بڑی فنی مہارت کے ساتھ منزل سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ ان کی مناجات نگاری کا یہ دلکش اسلوب قارئین وسامعین پر خوش گوار اثرات مرتب کرتا ہے:

مری زبان کو صدقِ مقال دے اللہ
نبی کے فیض کا ساغر اچھال دے اللہ
میں کیا کروں گا زمانے کی شوکتیں لے کر

غمِ حبیب ہی جھولی میں ڈال دے اللہ
بھٹک نہ جاؤں کہیں زیست کے اندھیروں میں
مری حیات کی راہیں اجال دے اللہ
زباں قمر کی ہو اور مدحتِ پیمبر ہو
نگارِ شعر کو حسنِ خیال دے اللہ

شعروادب میں ندرتِ بیان اور جدتِ اسلوب کی بڑی اہمیت ہے۔ پامال موضوعات اور گھسے پٹے موضوعات بھی ندرتِ اسلوب کی بدولت حسین اور پرکشش معلوم ہوتے ہیں۔ قادرالکلام شاعر اس پیرایۂ بیان سے اشعار میں سحر پیدا کردیتا ہے اور فنکار اپنے فن کو زمین سے آسمان پر پہنچا دیتا ہے۔ بس جدتِ اسلوب کے فن کو سلیقے سے برتنے کی ضرورت ہے۔ مولانا قمرالزماں قمر مصباحی کو اس وصف کی ادائیگی میں کمال حاصل ہے۔ اپنے فکروفن کو جدتِ اسلوب اور ندرتِ بیان کے حریری دھاگوں میں پروکر قارئین کے سامنے سلیقے سے پیش کرنا انھیں خوب آتا ہے۔ اس جہت سے چند اشعار ملاحظہ کریں اور شاعری کی جودتِ طبع اور جدتِ اسلوب کی داد دیں:

مل گیا جب ان کے روضے کی زیارت کا گلاب
کھل اٹھا کشتِ مقدر میں شفاعت کا گلاب
ہے نقیبِ امن میرے مصطفیٰ کا نقشِ پا
دامنِ دشمن میں بھی ٹانکا محبت کا گلاب
کاش مل جاتا پرِ جبریل کا مجھ کو قلم
کیوں زمینِ فکر پہ اُگتا نہ رفعت کا گلاب
خوشبوؤں سے بس گئی ہے انجمن در انجمن
جب مرے لب پر کھلا نعتِ رسالت کا گلاب

آگہی، علم و ادب کے، فضل و حکمت کے چراغ
آپ آئے جل اٹھے ہر سو ہدایت کے چراغ
نور کی ڈالی پہ دیکھو فکر و فن ہیں نغمہ زن
ہیں لبِ خامہ پہ روشن ان کی مدحت کے چراغ
شبنمی لفظوں کی آمد ہورہی ہے ذہن پر
فکر کی محراب پہ روشن ہیں سیرت کے چراغ

ستم کی رات میں لب پر دعا کے جگنو تھے
بس ایک حسنِ تبسم میں سب کو ٹال گیا
ہر ایک شاخ پہ نفرت کے زرد پتے تھے
شجر کی سانس میں خوشبو وفا کی ڈال گیا

شاعرِ موصوف نے ردیف ''گلاب'' اور ''چراغ'' کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ اشعار کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ''دامنِ دشمن میں بھی ٹانکا محبت کا گلاب'' / ''ستم کی سیاہ رات میں لبِ اقدس پر دعا کے جگنو کا چمکنا'' اور ''نفرت وعداوت کے شجر کی سانس میں وفا کی خوشبو ڈالنا'' جیسی تراکیب کا جواب نہیں ہے۔ اس قسم کے اشعار شاعر کے اسلوب کی عمدگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

تشبیہ واستعارہ کلام کے زیور اور عروسِ سخن کا غازہ ہیں۔ شعروادب کے سالن میں جب تک تشبیہ واستعارہ کا نمک شامل نہ ہو، کھانا بے لطف اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ عظیم فنکار حسنِ تشبیہ اور لطفِ استعارہ سے اپنے فن کی شراب کو دوآتشہ کردیتے ہیں۔ مولانا قمرالزماں مصباحی اس حقیقت سے خوب واقف ہیں۔ جبھی تو اپنے عروسِ سخن کو تشبیہ واستعارہ کے زیور سے سجاتے اور سنوارتے ہیں۔ اشعار دیکھیں:

صبح کے رخسار کو تلوہ شہِ ابرار لکھ
شام کو تو عکسِ زلفِ احمدِ مختار لکھ

''مطلعِ انسانیت'' کی ہیں وہی پہلی کرن
کلکِ قدرت کا نبی کو اک حسیں شہکار لکھ
کوثر و تسنیم سے تو غسل کر کے اے قلم
عشق میں ڈوبی ہوئی نعتِ شہِ ابرار لکھ
جس پہ قرباں جان سے ہو رونقِ خلدِ بریں
اس کو صحرائے نبی کا اے قمر تو خار لکھ

ماہ و انجم اور شفق تلوؤں کا دھوون ہے شہا
آفتاب اک زرد پتہ ہے ترے رخسار کا

مذکورہ بالا ادبی اوصاف ومحاسن کے علاوہ ''وفورِ جذبات اور قرینۂ اظہار'' قمر مصباحی کی شاعری کی نمایاں ترین خصوصیت ہے۔ ان کی نعتیہ شاعری میں ایمان کی حلاوت، عشق کی حرارت اور جذبات کی شدت کے ساتھ قرینۂ اظہار کا خوب صورت امتزاج پایا جاتا ہے اور یہ وہ اوصاف ہیں جن کے بغیر نعتیہ شاعری تو کجا شعروسخن کی کوئی بھی صنف بے معنی اور بے رنگ ونور ہے۔ مولانا قمرالزماں مصباحی اچھے عالم وشاعر کے ساتھ ایک اچھے انسان اور ایک سچے عاشقِ رسول بھی ہیں۔ ان کے کلام کا عشقیہ رنگ وآہنگ بڑے پرکشش اور جاذبِ قلب ونظر ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں، عشق میں ڈوب کر بڑے اخلاص اور والہانہ انداز میں کہتے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں سرمستی و وارفتگی، جذبات کا والہانہ پن، عشق کی حرارت اور قرینۂ اظہار کا شبنمی لہجہ ملاحظہ کریں:

علم کا جھونکا چلا ہے جب حرا کے غار سے
خودکشی کرنے لگے خود ہی جہالت کے چراغ

کیوں ڈسے راہِ سخن میں فکر کی ظلمت قمر
تیرے دل میں ہیں منور جب ہدایت کے چراغ

از زمیں تا آسماں روشن ہیں ساری رہ گزر
یا نبی پھوٹی ترے جب نقشِ پا کی روشنی
علم ، تہذیب و شرافت کی قبا اجلی ہوئی
جب سے پھیلی ہے شہا غارِ حرا کی روشنی
صبح کا چہرہ ہے روشن آپ ہی کے نور سے
کاش مجھ کو بھی عطا ہو والضحیٰ کی روشنی

بہارِ خلدِ بریں کی نہ بات کر زاہد
کہ پھر رہا ہے کسی کا مزار آنکھوں میں

غازہ سمجھ کے چہرۂ ایماں پہ مل لیا
خاکِ مدینہ جوں ہی اڑانے لگی ہوا

نعت گوئی نہایت دشوارفن ہے۔استاذ شاعر اور قادرالکلام سخن ور بھی اس فن کو کما حقہ برتنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔یہاں قدم قدم پر ٹھوکریں لگنے اور ایمان ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔اس لیے دیگر اصناف کے مقابل صنفِ نعت میں شاعر کو بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔علاوہ ازیں اس فن کے لیے قرآن وحدیث کا گہرا مطالعہ اور تفسیر وسیرت کا وسیع علم بھی ضروری ہے۔ لفظوں کے انتخاب اور تراکیب کی بندش میں الفاظ ومعانی کو شریعت کی میزان پر پرکھنا لازم ہے۔تب کہیں جا کر کچھ حد تک نعت گوئی کا حق ادا ہوسکتا ہے۔نعت کے موضوعات میں جس قدر تنوع اور جاذبیت ہے،اسی قدر ان میں پابندیاں اور دشواریاں بھی ہیں،جو نعت گو کے لیے کسی چیلینج اور آزمائش سے کم نہیں ہے۔یہاں عقیدہ اور عقیدت دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور شاعر سے حزم واحتیاط کا جبری مطالبہ کرتے ہیں۔اس حوالے سے نعتیہ ادب کے کسی پارکھ نے بڑی اچھی بات لکھی ہے:

”نعت،شاعری کی بڑی مشکل صنف ہے۔اس میں جتنی حد بندیاں اور پابندیاں ہیں،اتنی کسی اور ہیئت میں نہیں۔اس میں پیش آنے والے موضوعات میں حدِ ادب سے سرِ مو بھی تجاوز نہیں کیا جاسکتا۔جدت پسندی بھی ایک حد تک ہی اس میں روا رکھی جا سکتی ہے۔اس ہیئت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت،محبت، ارادت اور عزت واحترام جزوِ کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔نعت لکھنے سے پہلے شاعر کو فن سے واقفیت اور زبان پر کامل دسترس کے ساتھ ساتھ تاریخی شواہد،قرآنی تفسیر اور حضور کی سیرت سے متعلق نہ صرف صحیح معلومات کا ذخیرہ ذہن ودل میں ہو،بلکہ اسلامی قدروں کا غائر مطالعہ بھی اشد ضروری ہے۔عقیدت اور وجدانی کیفیات سے نور کی برساتیں ہوتی ہیں تو نعت شریف میں بڑی ابدیت اور آفاقیت پیدا ہوجاتی ہے۔نعت دراصل دربارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں صالح محبتوں، پاکیزہ عقیدتوں اور نیک جذبوں کے ساتھ گلہائے عقیدت پیش کرنے کا عمل ہے۔“

(نعتیہ شاعری میں ہیئتی تجربے،ص:۱۸،ناشر:تمل ناڈو اُردو پبلی کیشنز،چنئی)

نعت نگاری کے لیے دیگر لوازمات کے علاوہ سیرتِ طیبہ سے اخذ واستفادہ بھی امرِ لازمی ہے۔معاصر نعتیہ ادب میں سیرتِ طیبہ کی چاندنی پھیکی پڑتی نظر آتی ہے،جو نعت گوئی کی صحت مندروایت کے لیے مضر ہے۔فنِ نعت گوئی میں جب تک سیرت کے موضوعات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی زندگی کے احوال وواقعات شامل نہ ہوں،اس وقت تک نعت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔حضرت مولانا قمر الزماں قمرؔ مصباحی چوں کہ ایک باصلاحیت عالم و فاضل اور تاریخ وسیرت کے ایک ممتاز اسکالر ہیں،اس لیے ان کی نعت گوئی میں سیرت کے موضوعات اور احادیث وسیر کے مباحث وافر مقدار میں موجود ہیں۔وہ جو کچھ کہتے ہیں قرآن وحدیث اور حدیث طیبہ کی روشنی میں کہتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری اسلامی تلمیحات اور آثار وسیر کے جلوؤں سے منور نظر آتی ہے۔ذیل کے اشعار دیکھیں اور ان میں سیرت نگاری کی گلکاریاں ملاحظہ فرمائیں:

رہیں ٹوٹی چٹائی پر مگر قبضہ دو عالم پر
حبیبِ ربِ اکبر کی حکومت کتنی اچھی ہے
شجر سجدہ کرے ، کلمہ پڑھے کنکر اشارے پر
تری انگشتِ انور کی یہ طاقت کتنی اچھی ہے

سرِ بازارِ طائف زخم کھا کر پھول برسائیں
حبیبِ کبریا کی شانِ رحمت کتنی اچھی ہے
نبی کی نعت ہی کہنا قمر ہے مشغلہ اپنا
مرے حسنِ تخیل کی عبادت کتنی اچھی ہے

حضور نبیِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوؤں کی تابانی سے کائنات کا ذرہ ذرہ روشن ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ محسوسات ومبصرات کے علاوہ غیر مرئی اشیا بھی اس میں داخل ہیں اور حدیث پاک ”وکل الخلائق من نوری“ کے مفہوم ومصداق میں شامل ہیں۔عربی کے کسی بڑے شاعر کا مشہور شعر ہے:

وشق لہ من اسمہ لیجلہ
فذو العرش محمود وھذا محمد

اللہ جل مجدہ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و اجلال کے پیش نظر اپنے نام کے ساتھ آپ کے نام کو مشتق کیا، تو ذاتِ باری تعالیٰ محمود ہے اور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں۔ اس انضمام واشتقاق کا واحد مقصد یہی ہے کہ رب اکبر کو اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے غایت درجہ قربت ومحبت ہے اور محبت، فرقت وجدائی کو برداشت نہیں کرتی۔ کلمۂ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی اسم جلالت واسمِ رسالت ایک ساتھ موجود ہے۔ اسی طرح نمازوں اور اذانوں میں بھی اللہ عزوجل کے نام پاک کے ساتھ آپ کا مبارک نام موجود ہے۔ مذکورہ دونوں کائناتی صداقتوں کی ترجمانی کرتے ہوئے شاعر نے بڑے خوب صورت اشعار موزوں کیے ہیں، جو دراصل ان کی دینی بصیرت اور جدتِ اسلوب کے غماز ہیں۔

ترے جلووں کی تابانی بتاؤں میں کہاں تک ہے
چراغِ بزمِ امکاں سے فضائے لا مکاں تک ہے
شفق ، شمس و قمر تک ہے جہانِ کہکشاں تک ہے
تجلی میرے آقا کی زمیں سے آسماں تک ہے
تمہارے نام کو رب سے کوئی کیسے جدا کر دے
تمہارے نام کا چرچا نمازوں سے اذاں تک ہے
خدا ہی جانتا ہے بس حقیقت شاہِ بطحا کی
اجالا نور کا ان کے کہاں سے اور کہاں تک ہے
مشامِ جاں معطر ہے قمر اپنا بحمد اللہ !
''کہاں کھولے ہیں گیسو یار نے خوشبو کہاں تک ہے''

حضرت مولانا قمر الزماں مصباحی کے آسمانِ سخن میں فصاحت و بلاغت اور سلاست وروانی کے علاوہ ''سہلِ ممتنع'' کے ماہ وانجم بھی اپنے جلوے بکھیرتے نظر آتے ہیں۔ شعر وسخن کا وہ سادہ اور برجستہ اسلوب کہ اس سے زیادہ آسان کا تصور محال ٹھہرے، سہلِ ممتنع کہلاتا ہے۔ شاعری میں اس وصف کی بڑی اہمیت ہے اور اس کی بدولت اشعار زبان زدِ خاص وعام بن جاتے ہیں اور شعرا کی شعری عظمتوں میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ یہ اشعار دیکھیں اور سہل ممتنع کا نظارہ کریں:

مدینے کی فضا ہے اور میں ہوں
ہوا کیا مشک زا ہے اور میں ہوں
جہانِ فکر میں خوشبو ہے بکھری
خیالِ مصطفیٰ ہے اور میں ہوں
لحد کو جگمگا دو میرے آقا
اندھیرا قبر کا ہے اور میں ہوں
کبھی رکھ دیں قدم آقا مرے گھر
یہی دل کی صدا ہے اور میں ہوں
ہر اک گوشہ منور قبر کا ہے
جمالِ مصطفیٰ ہے اور میں ہوں
اجالا علم کا پھیلا ہے ہر سو
قمر غارِ حرا ہے اور میں ہوں

زیرِ نظر نعتیہ مجموعۂ کلام ''جان ہے عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم'' حضرت مولانا قمر الزماں قمر مصباحی کی شعری نگارشات کا ایک دل آویز مرقع ہے، جس کی روشنی میں راقم الحروف نے اپنے تاثرات بیان کیے ہیں۔ اس مجموعے میں ایک مناجات اور چالیس (۴۰) نعوت شامل ہیں۔ ہر نعت فصاحت وبلاغت، سلاست ونفاست اور جدت وندرت کا خوب صورت نمونہ ہے۔ یہ مجموعۂ کلام نعتیہ ادب میں ایک گراں قدر باب کا اضافہ ہونے کے ساتھ اردو کے ادبی سرمایے میں بھی ایک خوش گوار اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اس مجموعے کو شہرت ومقبولیت عطا فرمائے اور شاعر کی توفیقات میں دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین

سہ ماہی رسالہ ''مسلکِ اعلیٰحضرت'' کا ڈیجیٹل ایڈیشن

جناب مولانا قمر الزماں صاحب قبلہ !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امید کہ آپ بخیر ہونگے

آپ کا سہ ماہیر سالہ ''مسلک اعلی حضرت'' واٹش ایپ' کے ذریعہ دستیاب ہوا۔اس کا ''سرِ ورق'' دیکھ کر دل ''باغ باغ'' ہوگیا۔جونہایت ہی خوش رنگ اور دیدہ زیب ہے۔بڑی خوشی اور مسرت حاصل ہوئی۔آپ نے اس رسالہ کو''مسلک اعلیٰ حضرت'' سے موسوم کیا ہے۔یہ بڑی اچھی بات ہے۔دنیائے ادب وصحافت میں پہلی بار''مسلک اعلی حضرت'' کی اس حیثیت سے آمد ہوئی ہے۔اس سے پہلے کسی بھی رسالہ اور اخبار کو''مسلک اعلی حضرت'' کا ترجمان یا نمائندہ ضرور کہا گیا ہے اس بات سے انکار نہیں۔مگر''مسلک اعلی حضرت'' کے نام سے کسی رسالہ کو موسوم کیا جانا یہ آپ کی انفرادیت ہے اور خصوصی امتیاز ہے۔اس بنیاد پر آپ مبارک باد اور ہزار ہا مبارک باد کے مستحق ہیں ۔پروردگار عالم آپ کو سلامت رکھے اور آپ کی مذہبی ادبی کاوشوں کو قبول فرمائے۔۔۔آمین ثم آمین

سرِ ورق

مختلف رنگوں کا حسن امتزاج۔۔ایک جانب بیل بوٹا۔ہلکے رنگ والے کاغذ پر نمایاں طور پر''مسلک اعلی حضرت'' جلی حروف میں لکھا جانا۔بڑا اچھا لگ رہا ہے۔خوش رنگ،خوش مزاج اور خوش ترنگ نظر آرہا ہے۔جو نہ صرف نظروں کو بھا رہا ہے بلکہ دلوں میں بھی اتر رہا ہے۔اور پھر اسی سرِ ورق پر مضامین کے عنوانات سے اس کے حسن میں مزید نکھار پیدا ہو رہا ہے۔جو اس بات کا واضح پیغام دے رہا ہے کہ جس کا ظاہر اس قدر خوبصورت ہے۔اس کا باطن بھی بڑا اچھا اور خوبصورت وخوشگوار ہوگا۔اور''گنبد رضا'' کی تابشیں جو''سرِ ورق'' پر پڑ رہی ہیں۔وہ جمالیات کو دوبالا کر رہی ہیں۔اور اس میں چار چاند لگا رہی ہیں۔خدا کرے حسن وتابش کا یہ آئینہ یوں ہی چمکتا اور دمکتا رہے اور اس پر کسی نظر بد کا اثر نہ ہو۔

مجلس ادارت ومشاورت

ا''مجلس ادارت ومشاورت'' میں جن نوجوان علمائے کرام اور ارباب لوح وقلم کو شامل کیا گیا ہے۔۔سب کے سب ملک وملت کے دل اور دماغ ہیں۔ان کے پاس علم کی دولت بھی ہے اور قلم کی طاقت بھی۔ان کے فکر وخیال میں بڑی گہری معنویت پائی جاتی ہے۔ان کی توجہات اور کاوشوں سے یہ رسالہ کامیاب اور عروج وارتقا کی اعلی منزل تک پہونچ سکتا ہے۔ان سے اچھے مراسم رکھیں اور گاہے بگاہے ان کی کوششوں کو رسالہ میں شامل کرتے رہیں۔''مجلس ادارت ومشاورت'' میں جو افراد وشخصیات جان ودل بن کر آئے ہیں انہیں بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہونا چاہیئے اور کبھی کبھی معلوم بھی کرنا چاہیئے کہ رسالہ کس منزل میں ہے؟اور کہاں پہونچا ہوا ہے؟۔یہ حقیقت ہے کہ کسی بھی رسالہ کا مرکزی کردار''مدیر اعلیٰ'' یا اس کا''معاون مدیر'' ہوا کرتا ہے اور جو ادارت ومشاورت میں ہوا کرتے ہیں۔ان کی حیثیت ''ضمنی کرداروں'' کی ہوا کرتی ہے۔یہی ضمنی کردار بنیادی کردار ہوا کرتا ہے کیونکہ مرکزی کردار کا سارا دارومدار انہیں ضمنی کرداروں پر ہوا کرتا ہے۔

فیض روحانی ،فیضان نظر ،سرپرستی اور صدارت کے طور پر جن مبارک ناموں کا آپ نے انتخاب فرمایا ہے۔یہ انتخاب صرف انتخاب نہیں بلکہ حسن انتخاب ہے۔حضور تاج الشریعہ حضور امین شریعت حضرت عسجد میاں صاحب قبلہ اور مولانا سلمان رضا خاں وغیرہ یہ ایسے افراد ذی وقار اور نایاب شخصیتیں ہیں جن کے اشاروں سے لوح وقلم۔تحریر وتقریر اور اسالیب نگارش میں جان سی پڑ جاتی ہے اور کامیابی کے ساتھ چلنے لگتی ہے۔دور حاضر کے اس مزاج کو ضرور یاد رکھنا چاہیئے ۔کہ یہی آج کی ضرورت ہے اور ہماری حاجت بھی۔کہاں جائیں؟ کدھر جائیں؟۔یہیں پڑے رہیں اسی میں بھلائی ہے! خیر وفلاح ہے!۔۔اس بات کا بھی خیال رہے کہ جماعتی مزاج سمندر کی مانند ہوا کرتا ہے جو وسیع ہوتا ہے اور گہرا ہوا کرتا ہے۔اس سے فیض بھی ملتا ہے اور برکت بھی ۔اس مزاج کی قدر دانی ہماری اور آپ کی ذمہ داری ہے۔اور یہی ہماری شان اور بان ہے۔انشاء اللہ آپ کا یہ رسالہ اس مزاج کے حفظ وصیانت میں اہم کردار نبھائے گا۔

رسالہ ''مسلک اعلی حضرت'' کی ترتیب

رسالہ ''مسلک اعلی حضرت'' باون صفحات پر مشتمل ہے ۔یہ اگر چہ سہ ماہی ہے پھر بھی بہت خوب ہے ۔لاک ڈاؤن کے سبب ملک میں مہنگائی کا جو دور ہے اس دور میں بڑے بڑوں کی حالت پتلی ہوگئی ہے اور آمدنی کے ذرائع یقیناً مسدود ہو چکے ہیں ۔ خاص طور پر مولوی برادری کا برا حال ہے ۔بہر حال اس کا شکر ہے جس نے ہمیں عظیم نعمتوں سے نوازا ہے اور نادر و نایاب عطایا سے بہرہ مند کیا ہے۔ایسے ماحول میں اس عظیم رسالہ کا جاری کرنا بڑے حوصلہ کی بات ہے اور عزم پختہ کا کرشمہ ہے۔اس رسالہ کی ترتیب کچھ اس طرح ہے

(۱)۔کلام الامام (۲)۔اداریہ (۳)۔تاثرات (۴) سیرت سرور کائنات (۵)۔آئینہ رضویات (۶) منظومات (۷) وفیات

یہ ترتیب بڑی خوبصورت ترتیب ہے اور اس میں حسن وبانکپن اور ندرت وکمال کی ایک جہان تازہ مضمر ہے۔دل چاہتا ہے اس ترتیب جمال رعنا کے ایک ایک پہلو پر گفتگو کی جائے۔پیش نظر ہے۔ملاحظہ فرمائیں

(۱)۔۔کلام الامام

رسالہ کے اندر داخل ہوتے ہی ۔کلام الامام پڑھئے ۔ہاں وہ امام نہ صرف امام ہے بلکہ کلام کا امام ہے ۔علم وفن ۔فکروشعور۔فقہ اور دیگر علوم شرعیہ کا امام ہے ۔۔تصوف اور شعروادب کا امام ہے ۔عشق ومحبت اور خلوص و پیار کا امام ہے ۔اس سے میری مراد سیدی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ذات گرامی ہے ۔آپ کی شخصیت عبقری ہے جس علم کو آپ نے چھولیا اسے سونا بنادیا ۔اور اس کے دامن کو اس قدر وسیع تر کردیا کہ ہم جیسے لوگ اس کی وسعت کا اندازہ نہیں لگا سکتے ۔کیونکہ وہ ’’عطیہ ربانی‘‘ ہے اور ہم اسے اکتسابی حوصلہ کی نظر سے دیکھ رہے ہیں ۔وہ کامل ہے اور ہم سراپا ناقص ہیں ۔ہم کہاں اس کی وسعتوں کو پاسکتے ہیں؟ ۔ہمارا کام تو صرف فیض وبرکت کا حصول ہے اس کے سوا ہمارا اور کیا کام ہے ۔ٹھیک اس کی دوسری جانب سید اولاد رسول قدسی کی ایک نظم ہے جو’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ کے موضوع پر لکھی گئی ہے ۔جو اس بات پر واضح ثبوت ہے کہ علامہ قدسی شعروادب میں کمال کا درک رکھتے ہیں ۔

(۲)۔۔ادارتی تحریر اور اس کی اہمیت۔

کسی بھی ’’اخبار‘‘ اور ’’رسالہ‘‘ میں ’’مضامین‘‘ اور لکھے گئے ’’مقالات‘‘ کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے ۔مگر ’’ادارتی تحریرات‘‘ کی جو اہمیت اور افادیت ہوا کرتی ہے ۔اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ’’ادارتی تحریر‘‘ میں بڑی جامعیت ہوا کرتی ہے ۔اس کا تعلق سماج اور معاشرہ سے ہوا کرتا ہے بلکہ وہ انفرادی اور اجتماعی دونوں کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے ۔اس میں موجودہ سماجی اور معاشرتی مسائل وکوائف بیان کئے جاتے ہیں ۔مولانا قمرالزماں صاحب نے ’’اداریہ‘‘ تحریر کیا ہے ۔جس کا عنوان ’’نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری‘‘ ہے ۔یہ عنوان ہی انقلابی عنوان ہے ۔حوصلہ افزا اور ترغیب آمیز عنوان ہے ۔مولانا نے اس عنوان کے سہارے بہت سے سماجی مسائل کو بیان کیا ہے ۔وہ مسائل کیا ہیں؟ اس کا اندازہ ’’اداریہ‘‘ پڑھنے کے بعد ہوجاتا ہے ۔وہ مسائل ہماری غفلت ۔دین سے بے بہرہ ۔مذہب سے بیزار ہونا ہے ۔عمل سے دوری بنائے رکھنا ۔زندگی کے تمام معاملات میں کوتاہی سے کام لینا ہے ۔فکروشعور اور خیال وادراک میں کسی ترتیب کا نہ پایا جانا ہے ۔اسی طرح ہمارے یہاں خلوص نہیں ۔پیار نہیں ۔ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی نہیں ۔اور قیادت کا بھی نہ ہونا ہے ۔جو لوگ زمین پر اتر کر قیادت کے فرائض کو انجام دے سکتے ہیں وہ اپنی خوابگاہوں میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔یہ تمام باتیں اداریہ میں پائی جاتی ہیں ۔اور مولانا نے اپنے بزرگوں اور پیران عظام سے دست بستہ عرض کیا ہے ۔وہ اپنی خانقاہوں سے نکل آئیں ۔سماج منتظر ہے ۔معاشرہ انتظار میں ہے ۔لوگ راہ دیکھ رہے ہیں ۔اور آئے دن مایوسی واداسی کا شکار ہورہے ہیں ۔مولانا موصوف نے اپنے ’’اداریہ‘‘ میں جہاں موجودہ صورت حال کی وضاحت کی ہے وہیں انہوں نے ماضی کی تاریخ ۔اسلامی تہذیب کے عروج وزوال ۔سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اکتساب فیض کیا ہے ۔انہیں پہلوؤں اور مضمرات کے پیش نظر یہ ’’اداریہ‘‘ انقلابی اور تحریکی تحریر ہے ۔امید ہے ۔اس تحریر سے بیداری کی لہر نمایاں ہوگی ۔آج نہیں تو کل سہی ۔اداریہ نگار جہاں عالم دین ۔صاحب قلم ہیں وہیں شاعر بھی ہیں ۔ان کا اسلوب بیان نہایت ہی سلجھا ہوا ہوتا ہے ۔شگفتہ اور شیریں ہوا کرتا ہے ۔جابجا ان کی تحریروں میں اشعار ستاروں کی مانند چمکتے دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔جن کی وجہ سے ان کی تحریر میں جان آجاتی ہے ۔خدا کرے ان کے اداریہ سے کوئی نہ کوئی انقلاب بیدار ہوجائے ۔اور امید کی کوئی کرن سامنے آکر نمایاں ہوجائے ۔زمانہ کو ضرورت ہے ایک مسلم قیادت کی جو ملت کے تئیں ہمدرد ہو ۔اور اسلامی اسکالر بھی ہو ۔آج کا ہندوستان سلگتا ہوا ہندوستان ہے ۔راہ میں کانٹے بھی بچھے ہوئے ہیں ۔زمین بھی تپ رہی ہے اور ہمارے سروں پر سائباں بھی نہیں ۔ایسے نازل اور پُر خطر حالات میں ہماری قیادت کس طرح کی ہوسکتی ہے اور مسلم کے قائد ورہنما کو کیسا ہونا چاہیئے؟ اس پر سنجیدگی کے ماحول میں اور مثبت انداز میں فکر کرنے کی ضرورت ہے ۔اس بات کا بھی خیال رہے کہ دور حاضر میں ہم جس کو بھی قائد کی حیثیت انتخاب کرتے ہیں ۔ان کی طرف سے ہمیں کیا ملتا ہے؟ دھوکہ ۔فریب ۔اذیت اور بدنامی ۔مولانا موصوف نے جو اداریہ تحریر کیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارا وہی قائد ہوسکتا ہے ۔جیسا کہ ماضی میں قائد ورہنما رہے ہیں ۔ہونا یہ چاہیئے کہ پہلے ہم اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں ۔اس کے بعد اپنے گھر خاندان اور سماج ومعاشرہ میں تبدیلی لانے کی جدوجہد کریں پھر ملکی اور عالمی پیمانے پر اپنی کوششوں کو تیز کریں ۔اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں تو مایوسی سے سوا اور کیا مل سکتا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار

(۳)۔۔تأثرات

اس عنوان کے تحت غالباً پندرہ علمائے کے تأثرات شامل کئے گئے ہیں ۔ان تأثرات میں اس ناچیز کا بھی ایک تأثر شامل ہے ۔گوکہ تأثر کا تعلق ذاتی اور انفرادی جذبوں سے ہوا کرتا ہے ۔لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ انفرادی تأثرات کے بطن سے کچھ ایسے جذبے بھی نمایاں ہوا کرتے ہیں جن کا تعلق براہ راست زندگی کی حقیقت اور سماج ومعاشرہ سے ہوا کرتا ہے ۔اور کچھ بھی نہ ہو ۔تو اس قدر ضرور ہوگا کہ ان تاثرات میں اچھے اور خوشگوار جذبے ہونگے ۔بہترین احساسات وادراکات ہونگے جو اس بات کو ثابت کریں گے ۔۔ہم دور حاضر کے سماج اور معاشرہ میں رہ کر بھی دینی اور مذہبی ترجیحات کے حامل ہیں ۔بس انہیں ترجیحات کو آگے بڑھانے کے لئے رسالہ ’’مسلک اعلیٰ حضرت‘‘ کی اشاعت کا جواز کافی ہے ۔یہ تاثرات یقیناً حوصلہ بخش ہیں اور عزم وارادہ کے پیکر میں جان ڈالنے کے لئے بہت مناسب ہیں ۔بہرحال یہ تأثرات قابل قدر ہیں اور لائق اعتناء ہیں ۔میں نے جب ان تأثرات کو پڑھا تو مجھے بہت خوشی ہوئی ۔کہ ہمارے علماء کے مابین جذبے سلامت ہیں اور کچھ کرنے کا حوصلہ بھی رکھتے ہیں ۔

(۴)۔۔سیرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

اس عنوان کے تحت مندرجہ ذیل مضامین پیش کئے گئے ہیں

(۱)۔۔جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
(مولانا مبارک حسین مصباحی)
(۲)۔۔آؤ اسلام کا شورائی نظام قائم کریں
(مولانا توفیق احسن برکاتی)
(۳)۔۔سیرت رسول میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش
(مولانا طارق نعمان)

یہ وہ مضامین ہیں جو سماجی اور معاشرتی زندگی سے اخذ کے گئے ہیں۔اس بات سے انکار نہیں کہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو پورے ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں آمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جشن بہاراں منایا جاتا ہے ۔رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس جہان گیتی میں جلوہ بار ہوئے تو انس و جاں اور چرند و پرند اور دیگر مخلوقات نے اپنے اپنے دلوں کے دروازے کھول دیئے تا کہ ان کی تشریف آوری کے جلوؤں کو سمیٹا جائے۔اور خوشیوں کا ایک ماحول بنایا جائے۔ چراغاں کیا جائے اور ان کی آمد کا چرچا کیا جائے۔ جولوگ اس خوشیوں بھری زندگی کو دیکھنے کی تاب نہیں رکھتے ان کے چہروں کی تاریکیاں بہت کچھ سمجھنے پر مجبور کرتی ہیں۔اس طرح ثابت ہوتا ہے یہ مضمون سماج و معاشرہ اور حقائق حیات کا صاف ستھرا آئینہ ہے۔جہاں اس کی ادبی حیثیت نمایاں ہے وہی اس کو صحافت کا آئینہ بھی کہا جاسکتا ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ دور حاضر میں انفرادیت کو ترجیح دی جاتی ہے۔سماج و معاشرہ میں جب کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس کی خبر کانوں کان کسی کو نہیں دی جاتی ہے ۔ بلکہ تن تنہا اس کام کو انجام دے دیا جاتا ہے۔نہ کسی سے مشورہ لیا جاتا ہے اور نہ کسی سے کوئی رائے لی جاتی ہے ۔اس کے بر خلاف اسلام نے کسی بھی خواہ سے مشورہ اور رائے لینے کا اہتمام کیا ہے تا کہ کسی کام میں انفرادیت کے ساتھ ساتھ اجتماعیت کی بھی بو باس آ جائے ۔دور حاضر کے انسانوں نے اسلام کے شورائی نظام کو پس پشت ڈال رکھا ہے اس لئے دھوکے پہ دھوکہ کھائے جارہا ہے۔آخر کب تک دھوکہ کھانے کی روایت آگے بڑھتی رہے گی؟اس روایت کا سد باب ہونا چاہیئے اور اس کا واحد راستہ صرف اور صرف ’’اسلام کا شورائی نظام‘‘ ہے ۔اسی لئے کہا گیا ہے’’ آؤ اسلام کا شورائی نظام قائم کریں‘‘ اپنی زندگی اپنے سماج اور معاشرہ کو تابندہ کریں۔میں مولانا توفیق احسن برکاتی کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اسی طرح کے مضامین سے قارئین ’مسلک اعلیٰ حضرت‘ کو نوازتے رہیں۔ان کا یہ مقالہ نہایت ہی وقیع اور معرکۃ الآرا ہے۔قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔

غم وغصہ اور رحم وکرم یہ دو ایسے احساسات ہیں جو ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کی اہمیت و افادیت کو نمایاں کرتا ہے۔غم وغصہ کا ہونا بھی ضروری ہے اور رحم وکرم بھی ضروری ہے۔غم وغصہ کے سبب ندامت شرمندگی اور اصلاح کی راہ ہموار ہوتی ہے۔اور یہ سماج و معاشرہ کے لئے ایک ضروری امر ہے۔اور رحم وکرم اس لئے ضروری ہے تا کہ قنوطیت اور ناامیدی کا اندھیرا ختم ہو جائے اور امید کا سویرا ہو جائے۔ کسی کے لئے حوصلہ شکن نہیں بلکہ حوصلہ افزا ہونا چاہئے تا کہ زندگی کے تار پود ایک دوسرے سے پیوست ہوتے رہیں۔اس تناظر میں سیرت رسول میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔خوب اور بہت خوب ہیں۔خدا کرے ہماری زندگی میں یہ تابندہ نقوش پھلیں اور پھولیں۔سماج اور معاشرہ کو بھی دن دونی رات چوگنی تابناک بنائیں۔۔

(۵)۔۔آئینہ رضویات

یہ عنوان بڑا اہم اور افادیت کا حامل ہے۔ اس میں درک تام اور احساس کامل پایا جاتا ہے۔آئینہ وہی ہوتا ہے جو کسی کو رونما کر دیتا ہے۔اور اس کے صحیح خدوخال کو پیش کر دیتا ہے۔ہوسکتا ہے کوئی کہے وہ آئینہ کہاں ہے ؟تو اس کا جواب صرف یہی دیا جاسکتا ہے۔۔وہ آئینہ کہاں نہیں ہے!وہ نگاہ چاہیئے جو ان بکھرے ہوئے آئینوں کو پہچان سکے اور جان سکے اور پھر ان آئینوں میں رضویات کے خدو خال کا صحیح ادراک کر سکے۔پروفیسر مسعود صاحب نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاف اور شفاف آئینہ میں رضویات کا ادراک کر لیا اور پکار اُٹھے’’امام احمد رضا ایک عاشق رسول ہیں ۔ڈاکٹر امجد رضا امجد کو کہیں جانے کی ضرورت نہ پڑی ۔انہوں نے’’ تحفہ حنفیہ‘‘ کی فائلوں کو کھنگالا ۔مدرسہ حنفیہ کی مجلسات کو آئینہ بنایا اور بڑی ہی بارک بینی سے دیکھا۔اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔بالآخر ان آئینوں میں انہیں وہ منزل مل ہی گئی جس کے لئے مولانا سرگرداں تھے ان کی منزل رضویات ہے اور امام احمد رضا کی ذات گرامی ہے۔اس طرح دیکھا جائے تو مدرسہ حنفیہ بھی ایک آئینہ ہے رضویات کا اور امام احمد رضا فاضل بریلوی ذات و شخصیت کا۔جہاں تک مولانا عبدالرزاق پیکر کی بات ہے۔انہوں نے تو کمال کر دیا۔بڑی ہی دقت نظر اور خردہ بینی سے کام لیا۔رضویات کا آئینہ تلاش کر نے نکلے۔تو حضرت مخدوم جہاں کے آستانہ پر حاضر ہوئے۔ان کے ملفوظات کو دیکھا۔سلسلوں کی تلاش کی۔ان کے تمام اسرار ورموز کو دیکھنے کی کوشش کی۔آخر کار انہیں وہ آئینہ یعنی سلسلہ فردوسیہ کی اجازت وخلافت کا ادراک کر ہی لیا۔اور یہ مضمون (حضرت مخدوم جہاں اور امام احمد رضا) لکھ کر شامل اشاعت کر دیا ۔ یہ مضمون بھی معلوماتی ہے اور اس میں بہت سے ادراکات پائے جاتے ہیں۔ایک سیدھے سادے پیکر میں حسن و جمال کی ایسی رعنائی بہت کم دیکھنے کو ملتی ہے ۔خدائے پاک انہیں سلامت رکھے بہت کام کے آدمی ہیں۔

ڈاکٹر سراج احمد بستوی بھی کسی سے کم نہیں ہیں۔انہوں نے رضویات کے آئینوں میں بہت دور جا پہونچے۔کہا جاتا ہے جو مخلصانہ انداز میں کوشش کرتا ہے۔کامیاب ہوتا ہے اور ناکامی ان سے بہت دور کھڑی ہو جاتی ہے اور تلاش کرنے والے کی سنہری کامیابی کو حسرت بھری آنکھوں سے دیکھتی

رہتی ہے اور کف افسوس ملتے ملتے وہ کالعدم ہو جاتا ہے۔ان کی تلاش کا دائرہ اسلامی علوم وفنون ہے انہوں نے ایک سو پانچ علم وفن کو دیکھا ان کی پرتوں کو کھنگال کھنگال کر یہ ثابت کردیا کہ یہ وہ علوم وفنون ہیں جن کے پیکر میں رضویات کی تاب وتوانائی دیکھنے کو مل جاتی ہے۔اسی تلاش وتتبع کا سہارا لے کر بستوی صاحب بول پڑے''امام احمد رضا کو ۱۰۵ علوم میں مہارت حاصل ہے۔جدید علوم وفنون کے آب وگل میں پڑے ہوئے افراد اس بات کو برملا کہا کرتے ہیں مولوی کیا جانے جدید سائنسی علوم کیا ہیں۔اور ان کے کیا کیا کرشمے ہیں۔یہ ان کی خام خیالی ہے۔اس بات کو ثابت کرنے میں ڈاکٹر مجید اللہ صاحب نے بڑی بے باکی سے کام لیا اور یہ کر دکھا کہ جو مولویوں کو کچھ نہیں سمجھتے غلطی پر ہیں۔اس میدان میں امام احمد رضا اس ذات گرامی کا نام ہے جنھوں نے سائنسی علوم کے ماہرین کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے ۔بلکہ یہ ماہرین تو ان کے سامنے طفل مکتب کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا مقالہ پڑھیں۔جو بات میں نے کہی ہے۔وہ سچ ہے اور سچائی پر مبنی ہے۔

دور حاضر میں تجارت کے جو اصول پائے جاتے ہیں۔ان کی معنویت تجارت کے شرعی اصولوں سے بہت کم ہے۔اگر کہا جائے کہ بالکل زیرو ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔ان اصولوں میں بھی سیدی امام احمد رضا علمی صلاحیتوں کی قوس وقزح پائی جاتی ہے۔یہ اصول بھی ایک قسم کا آئینہ ہے جس میں رضویت کے خدوخال پوری آب وتاب کے ساتھ پائے جاتے ہیں مولانا قمر الزماں نے ان کی نشاندہی خوبصورت انداز میں کی ہے ۔مذکورہ بالا مقالات و مضامین کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا غور کریں۔فکر وشعور کی سطح پر چند ادراکات ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

ادراک اول۔

یہ سارے مضامین ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ظاہری طور پر نہ سہی مگر معنوی طور پر ان کے مابین پائی جانی والی ارتباطی کیفیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔بات عشق رسول سے شروع ہوئی۔مدرسہ حنفیہ تک جا پہونچی ۔پھر معاملہ حضرت مخدوم جہاں تک پہونچ جاتا ہے۔سائنسی علوم وفنون کی سیر کرتا ہوا تجارتی اصول کو بھی اپنی توجہ اور عنایت میں سمیٹ لیا۔یہ وہ ارتباط زیریں ہے جس کی رفتار خراماں خراماں ہے خوش رنگ بھی ہے اور خوش فکر بھی ۔اس کا احساس کرتے ہوئے دل تبسم ریز ہو جاتا ہے اور لبوں پر مسکان پھیل جاتا ہے اور زبان سے یہ صدا نکلتی ہے واہ کیا ارتباط معنوی ہے۔

اسی ارتباط معنویت کو عصری معنویت سے تعبیر کیا جاتا ہے سرکار اعلی حضرت فاضل بریلوی نے ہم اہل سنت وجماعت کو جو افکار ونظریات دیئے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ زندگی کے حقائق وبصائر سے تعلق رکھتے ہیں سماج اور معاشرہ کے بہترین بیل بوٹے ہیں۔معاشی اور اقتصادی حالات وکوائف میں خوشگواری تبدیلیوں کو رونما کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔اس بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان افکار ونظریات کی ضرورت کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور آئندہ کل بھی رہے گی۔بس یہی وہ ضرورت ہے جسے ہم''عصری معنویت'' کہا کرتے ہیں کیونکہ''عصری معنویت'' کسی زمانہ یا کسی دور تک محدود نہیں رہتی ہے بلکہ وہ ہر ایک زمانہ اور ہر ایک دور کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔اسی ضرورت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے نظام اخوت کی بات کہی ہے۔نظام اخوت عصری معنویت کی بہترین مثال ہے۔مفتی غلام سرور قادری نے نظام اخوت کو آئینہ بنا کر تعلیمات رضا کو دیکھنے کی کوشش کی ہے اور مفتی صاحب اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہیں۔

ادراک دوم

آئینہ رضویات کے تحت پیش کردہ مقالات ومضامین کو پڑھنے کے بعد کسی بھی قاری کے ذہن پر یہ تصور ابھر سکتا ہے۔اعلی حضرت فاضل بریلوی ہرفن مولی تھے۔زندگی کا وہ کون سا شعبہ ہے جہاں میرے اعلی حضرت کے رشحات قلم نہ پہونچے ہوں۔بلکہ سماج ومعاشرہ اور زندگی کا ہر ایک گوشہ ان کی نورانی کرنوں سے منور ہے اور ان کے قلم ضیا بار کی تجلیوں سے روشن وتابناک ہے۔غالباً اسی مفہوم کو جناب آل مصطفے مرکزی نے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ان کا یہ مقالہ اعلی حضرت کے اس شعر کا حسین مرقعہ ہے کہ

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم
جس سمت آگئے ہیں سکے بٹھا دیئے ہیں

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ''رسالہ مسلک اعلی حضرت''نہایت ہی خوبصورت اور حسن فکر ومعنی کا ایک حسین مرقع ہے۔۔ظاہر بھی بہتر ہے اور باطن میں بھی کمال وجمال کے اثرات پائے جاتے ہیں۔نہایت ہی مختصر انداز میں تاثرات لکھنے بیٹھا تھا۔مگر کیا کریں بات سے بات نکلتی گئی۔اور میری نظر کے سامنے ایک سے بڑھ کر ایک آئینہ آتا گیا۔اور میں لکھتا رہا۔اور کوئی اندیکھی قوت تھی جو سہارا دیتی رہی اور پھر یہ معاملہ سامنے آیا کہ

ہوگئی میری غزل بڑھ کر قصیدہ نور کا

عام طور پر اس قدر لمبا تبصرہ نہیں ہوتا ہے۔کچھ ایسے تابناک گوشے سامنے آئے جنہیں تحریر کی دنیا میں پیش کرنا ضروری تھا۔اور بات بہت دور تک پہونچ گئی۔اگر ممکن ہوسکے تو میرے اس مقالہ نما تبصرہ کو شامل اشاعت کرلیں۔فقط

محمد شمشاد حسین رضوی
صدر مدرس
مدرسہ شمس العلوم گھنٹہ گھر بدایوں
یکم جمادی الاولی ۱۴۴۳ھ
۷؍دسمبر ۲۰۲۱ء

شفیق رائے پوری کی نعتیہ شاعری کے چند درخشاں پہلو

مولانا محمد اشرف رضا قادری، مدیر اعلیٰ سہ ماہی امین شریعت

شاعر ذی وقار، پیکرِ علم و ادب، استاذ الشعراء جناب شفیق رائے پوری دام ظلہ العالی کی شخصیت کے کئی رُخ ہیں اور وہ ہر رُخ سے امتیازی صفات کے حامل ہیں۔ ایک منفرد و ممتاز اور قادر الکلام نعت گو شاعر کی حیثیت سے ان کی شناخت مسلّم ہے ہی، ایک اچھے انسان اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے بھی وہ بلند مقام پر فائز ہیں۔ شعر و ادب کی دنیا میں ان کے کلام کو اعتبار و اعتماد کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ اُن کی شاعری، اُن کے دل کی آواز اور پر کیف جذبات کے اظہار کے حوالے سے شہرت کی حامل ہے۔ اُنھوں نے پاکیزہ جذبات و تخیّلات اور اعلیٰ افکار و خیالات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے اور زبان و بیان کے مسلمہ اصول و ضوابط کی رعایت کرنے کے ساتھ شرعی اقدار و روایات کا بھی بہر گام خیال رکھا ہے اور اس طرح ان کی نعتیہ شاعری ''قدیم صالح اور جدید نافع'' کا سنگم بن گئی ہے، جس میں قدیم و جدید کا حسن اور روایت کے ساتھ درایت کا پہلو نمایاں ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں یہ سارے اوصاف موجود ہیں۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

با وضو ہو کر درودِ پاک پڑھتی ہے ردیف
نعت میں لاتا ہوں میں جب قافیہ سرکار کا

جب تصور میں چلے آئے شہِ کون و مکاں
چرخِ افکار پہ مدحت کا ستارا چمکا

میرے آقا کے پسینوں کا بدل ممکن نہیں
شوق سے کر لیں ہزاروں نکہتوں کا اجتماع
جب رسولِ پاک کا جلوہ دکھایا جائے گا
دیکھنا محشر میں ہوگا حیرتوں کا اجتماع

گنبدِ خضریٰ کے سائے میں کٹے عمرِ تمام
کاش ہو جائے فروزاں میری قسمت کا چراغ
نعت میں مشکل مضامین آپ نے باندھے شفیقؔ
شکر ہے گُل ہو نہیں پایا سلاست کا چراغ

الفاظ کا صوتی حسن اور فقروں کی والہانہ ترنگ جب عشق و الہام کے ساتھ ملتی ہے تو فکر و نظر کے خوشنما پھول رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں بھینی خوشبوؤں کے نشیلے اور وجد آفریں جھونکے لے کر آتے ہیں اور مشامِ جان کو معطر کر دیتے ہیں۔ اس وقت شاعر کا فکر و فن قابلِ دید ہوتا ہے۔ شاعر جو کچھ کہتا ہے، وہ شعریت و معنویت سے مملو اور عشق و وارفتگی کا خوب صورت مرقع ہوتا ہے۔ اسی طرح جب اعجازِ نعت اور جذبۂ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ملے جلے جذبات، فکرِ رسا کے تار کو جھنجھوڑتے ہیں تو فکر کی صلابت، فن کی طہارت، سخن کی نظافت اور شعر کی اسلوبیاتی صباحت سماعتوں کو یوں مستفیض و مستنیر کرتے ہیں:

جب حیاتِ جاوداں کا فلسفہ پوچھے کوئی
روضۂ سرکار پر دے دیجیے مرکر جواب
چرخِ اوصافِ نبی کی سیر اب ممکن نہیں
طائرِ ذہنِ رسا کے دے گئے ہیں پر جواب
مصدرِ حسنِ دو عالم جب کوئی پوچھے شفیقؔ
مصطفیٰ پیارے کا ہے تنہا رخِ انور جواب

جب دعا میں روغنِ نامِ نبی ڈالا گیا
تب کہیں جاکر ہوا روشن اجابت کا چراغ
ہے ازل سے تا ابد اس کے ہی جلووں کی بہار
اول و آخر ہے آقا کی نبوت کا چراغ
گمرہی کی ظلمتوں میں ٹھوکریں ممکن نہیں
ہے مرے ہمراہ شاہِ دیں کی سیرت کا چراغ

نعت گوئی وہ مبارک و مسعود فن اور آسمانِ سخن کا وہ نیرِ اعظم ہے جو ہمیشہ نصف النہار پر جگمگاتا ہے۔ یہ وہ نورِ معنوی ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتا، بلکہ نعت نگاروں کو دولتِ بقا مہیا کرتا ہے۔ حضرت حسّان و کعبؓ سے لے کر بوصیریؔ و جامیؔ اور سعدیؔ و رضاؔ تک سینکڑوں شعرا نے نعت گوئی کے سبب فنا ہونے کے باوجود بقا کی دولتِ لازوال پائی اور تاریخ کے سینے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو گئے۔ نعت گوئی زندگی بھی ہے اور بندگی بھی۔ نعت، سرمایۂ آخرت بھی ہے اور ذریعۂ بخشش بھی۔ مصطفیٰ جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت سرائی وہ نورانی و عرفانی مشغلہ ہے، جس کے سبب شاعرانِ نعت قیامت کے دن ستاروں کی مانند چمکتے اور دمکتے نظر آئیں گے۔ اسی لیے تو شفیق رائے پوری فرماتے ہیں:

محشر کے روز بس اسی کردار کے سبب
چمکیں گے ہم بھی مدحتِ سرکار کے سبب
مر بھی گئے تو ہم سے ثنا خوانِ مصطفیٰ

زندہ رہیں گے نعتیہ اشعار کے سبب
محشر میں لوگ بولیں گے دیکھو میاں شفیقؔ
بخشے گئے ہیں نعت کے اشعار کے سبب

محترم شفیق رائے پوری کو صنفِ نعت سے خصوصی ذہنی وابستگی ہے۔ بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ انہیں اس مقدس صنف سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ ان کی شاعری کی مدت تقریباً نصف صدی کو محیط ہے۔ پچاس سالہ شعری مشق و مزاولت نے ان کے فکر وفن میں وہ صلابت عطا کی ہے جو ایک کامل الفن استاذ شاعر کے یہاں دیکھنے کو ملتی ہے۔ گذشتہ دو عشرے سے انہوں نے خود کو نعت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ انھوں نے زلفِ غزل کی مشاطگی کے بعد نعت کے میدان میں بڑے حزم واحتیاط کے ساتھ قدم رکھا ہے اور کامیابی و سرخروئی کے ساتھ اس خاردار وادی کو طے کیا ہے۔ یوں تو اس مجموعے ''قصیدہ نور کا'' میں شامل تمام نعتیں قابلِ قدر اور فکر وفن کی شہکار ہیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ ردیف ''نعت'' پر ان کا تحریر کردہ کلام فکری وفنی لحاظ سے ایک قابلِ قدر علمی وادبی سرمایہ ہے۔ اس کے چند اشعار نذرِ قارئین ہیں:

گلہائے قدس دل کے چمن میں کھِلائے نعت
پھر کیوں نہ عندلیبِ نبی چہچہائے نعت
شاہد ہے دیکھ لیجے قرآں کی آیتیں
اللہ کی طرف سے ہوئی ابتدائے نعت
دریائے مشکلات ہمیں دے گا راستہ
ہاتھوں میں ہے درود کی ڈالی، عصائے نعت
آئے گا جب ہجومِ ثنا خوانِ مصطفیٰ
لے کر چلیں گے حشر میں ہم بھی لوائے نعت
دیکھو ہے کتنی نامِ محمد میں چاشنی (صلی اللہ علیہ وسلم)
کانوں میں شہد گھول رہی ہے صدائے نعت

شاعر کو صنفِ نعت سے کس قدر ذہنی وابستگی اور والہانہ لگاؤ ہے، اس کا اندازہ ذیل کے دونوں شعر سے لگایا جا سکتا ہے:

غزل کی زلفوں کی مشاطگی تھی کل کی بات
ثنائے سرورِ عالم مرا شعار ہے آج

نعتِ رسول لکھتے رہیں گے شفیقؔ ہم
نعتِ نبی نہیں ہے تو پھر شاعری عبث

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومحاسن کے بیان، آپ کے تذکارِ جمیل اور آپ کی تعریف وتوصیف کو نعت کہتے ہیں۔ نعت کا یہ عام مفہوم ہے اور اردو شاعری کے آغاز سے آج تک اسی انداز میں نعت گوئی ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے نعتیہ ذخیروں میں روایتی اندازِ بیان کی شاعری کی بھرمار ہے اور درایت پر روایت غالب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کے ساتھ آپ کو معاشرتی تشکیل اور کائناتی تفہیم کے حوالے سے سوچنے اور اس نقطۂ نظر کو نعت گوئی کا جزوِ لاینفک بنانے کی سعیِ مشکور بہت کم کی گئی ہے اور جن قابلِ قدر نعت گو شعرا نے اس جہت سے غور وفکر کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی شخصیت کو معاشرتی تشکیل کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے اصلاحی انداز اختیار کیا ہے، ان کے خامۂ زرنگار سے اعلیٰ پایہ کی نعتیہ شاعری وجود میں آئی ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وہ پاکیزہ بنیادی جذبہ ہے جو تشکیلِ نعت کا سبب بنتا ہے، لیکن اعلیٰ ادبی اظہار کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت کو کائنات کے وسیع تناظر میں جا کر سمجھنے کی کوشش کسی بھی نعت کو اعلیٰ تخلیقی دائرے میں لا کھڑا کرتی ہے۔ شفیق رائے پوری کی نعتیہ شاعری میں یہ وصف مختلف مقامات پر دیکھنے کو ملتا ہے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ وارفع ذات وصفات کے بیان کے ساتھ اصلاحی نوعیت کے اشعار بھی اپنے نعتیہ کلام میں پیش کیے ہیں، اس حوالے سے چند اشعار نذرِ قارئین کرتا ہوں:

زیرِ زمیں عمل کا نہیں ہوگا سلسلہ
سجدے میں اپنے سر کو جھکا لے زمین پر

در بدر بھٹکے گا کب عصرِ حاضر! آ ادھر
تارِ ہستی ہادیِ دینِ مبیں آقا سے جوڑ
زندگی میں پھر خزاں کی رت نہ آئے گی کبھی
گلشنِ دل کو بہارِ گنبدِ خضریٰ سے جوڑ

بہتر ہے شفیقؔ آپ کریں جان نچھاور
سرکار کے احکام پہ ہر آن شب و روز

نورِ عشقِ مصطفیٰ سے دل کو روشن کیجیے
یہ اندھیری قبر میں بھی روشنی پھیلائے گا

ہاں اگر تجھ کو حیاتِ جاودانی چاہیے
مصطفیٰ کے عشق میں تو پہلے مر پوری طرح

اسی طرح شاعر موصوف نے متعدد مقامات پر قرآنی آیات کے معانی ومفاہیم بڑی مہارت اور فنکاری کے ساتھ شعری قالب میں ڈھالے ہیں، جو ان کی علمی بصیرت، قرآن فہمی، اور دینی وملی شعور کے غماز ہیں۔ اس حوالے سے یہ شعر دیکھیں:

کامیابی ہر قدم پر چومتی جائے قدم
ہو گئے اسلام میں داخل اگر پوری طرح

اس شعر میں آیت کریمہ ''ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین'' کی بہتر اور معنی خیز ترجمانی کی گئی ہے۔

اس میں دو رائے نہیں کہ کسی بھی شعبۂ ادب میں محاسنِ شعری و ادبی کا یکجا ہونا شعر و ادب کا حسن بھی ہے اور کمال بھی۔ شعر کی جمالیات جن عناصر میں پنہاں ہے، ان کی ایک لمبی فہرست ہے اور ان عناصرِ شعری کا ادراک ایک شاعر کے لیے ضروری ہے۔ حسنِ شعر دو اہم محاسن وزن اور تخیل کا پابند ہے۔ لیکن اس میں ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ تخیل حقیقت سے جتنا قریب ہوگا شعر کا حسن اتنا ہی دیر پا اور جاوداں ہوگا۔ مجازی اشعار بھی بسا اوقات علوئے تخیل کی وجہ سے اونچے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح ردائف وقوافی کا فنکارانہ استعمال بھی شعری حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ شاعر کا کمال اور کلام کا حسن و جمال اس بات میں پوشیدہ ہے کہ اس کے ہر شعر میں موضوع و خیال کے مناسب قافیہ لایا جائے اور شاعر ردیف کو استادانہ مہارت کے ساتھ نبھائے۔ مقامِ شکر و اطمینان ہے کہ محترم شفیق رائے پوری کو اس معاملے میں کمال حاصل ہے۔ تخیل کی بلندی اور اسلوب کی چاشنی کے ساتھ وہ بہترین قوافی کا بھی استعمال کرتے ہیں اور ردیف کو بھی بخوبی نبھاتے ہیں۔ اس مجموعے میں شامل بیشتر کلام کی ردیفیں انفرادی نوعیت کی ہیں، جن پر آج کے شعرا بہت کم ہی طبع آزمائی کرتے ہیں، لیکن موصوف نے ان منفرد ردیفوں کا استعمال بڑی فنکاری کے ساتھ کیا ہے اور اپنی استادانہ مہارت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے سرِ دست دو منفرد ردیف (عبث، سوچ) کے چند اشعار دیکھیں اور ہمارے دعویٰ کی صداقت ملاحظہ کریں :

والضحیٰ، و اللیل کی آیاتِ پُر انوار سوچ
سوچنا ہے تو شبیہِ احمدِ مختار سوچ

نعتِ پاکِ مصطفیٰ کے واسطے درکار ہے
عشق، پاکیزہ تخیل، عشق میں سرشار سوچ
ما ورائے عقل و دانش مصطفیٰ کی رفعتیں
محوِ حیرت عقل ہے ، بے بال و پر افکار سوچ
آیتِ لا ترفعوا سے یوں نہ کر صرفِ نظر
ہو گیا قصرِ عمل تیرا اگر مسمار سوچ
کر مجلیٰ ذہن و دل کو اس عمل سے اے شفیق
مصطفیٰ کے آستانے کی در و دیوار سوچ

سورج، ستارے، چاند، شفق، روشنی عبث
پائے رسولِ پاک کے آگے سبھی عبث
جب سامنے ہے سیرتِ محبوبِ کبریا
پھر کیوں بھلا کسی کی کروں پیروی عبث
اس جلوہ بار گنبدِ خضریٰ کے سامنے
اے چودھویں کے چاند تری چاندنی عبث
لگتا ہے دور رہ کے درِ مصطفیٰ سے یوں
جیسے گذر رہی ہو مری زندگی عبث

ردیف ''ڈھونڈ'' اور ''کاغذ'' پہ ذیل کے یہ اشعار بھی بڑے سلیقے سے قلم بند ہوئے ہیں۔ ردیف کو نبھانے اور فقروں کو اشعار کے حسین دھاگے میں پرونے کا فن کوئی موصوف سے سیکھے۔

چاندنی کے واسطے آ مطلعِ انوار ڈھونڈ
اے قمر میرے نبی کا ذرۂ پیزار ڈھونڈ
والضحیٰ میں مصطفیٰ کا روئے انور کر تلاش
آیتِ و الیل میں زلفِ شہِ ابرار ڈھونڈ

جس کا سایہ بھی نہیں، ثانی کہاں سے لائے گا
بے خبر! ثانی سے پہلے سایۂ سرکار ڈھونڈ
چاہیے تجھ کو علاجِ دردِ عصیاں تو شفیقؔ!
جو نبی کے عشق میں ہے دائمی بیمار ڈھونڈ

مدحتِ نورِ مجسم سے منور کاغذ
ہو گیا لفظ کے پھولوں سے معطر کاغذ
اس میں قرآن کی آیات بھی ہیں نعتیں بھی
کیوں نہ ہو اپنے مقدر کا سکندر کاغذ
پھر تو لازم ہے تجھے تنگیِ داماں کا ملال
لکھنے بیٹھوں جو کمالاتِ پیمبر کاغذ
کیا عجب ہے جو لکھوں نامِ نبی پڑھ کے درود
روشنائی مہک اٹھّے، ہو منور کاغذ
احترام اس کا بھی لازم ہے شفیقِؔ عاصی
تجھ کو سادہ بھی جو مل جائے زمیں پر کاغذ

نعتیہ شاعری تین عناصر سے تشکیل پاتی ہے: زبان و ادب اور شعری روایات سے بااعتماد آگہی۔ سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادے کی صلاحیت اور جذباتِ محبت و عقیدت کے اظہار کا سلیقہ۔ ان اجزا کا باہمی ربط غیر متوازن ہو جائے تو مدح کا حق ادا نہیں ہوتا اور اگر ان عناصرِ ثلاثہ کی ترتیب، تدوین اور پیوستگی کا ملکہ حاصل ہو جائے تو مدح نگاری دوام کی حق دار ٹھہرتی ہے۔ شفیق رائے پوری کی نعتیہ شاعری ان اوصاف سے مزین ہے۔ ان کے نعتیہ کلام میں زبان و ادب اور شعر و سخن کے اصول و ضوابط سے بااعتماد آگہی بھی پائی جاتی ہے اور سیرتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استفادہ و استفاضہ کے ساتھ جذباتِ عشق و عقیدت کی فراوانی بھی پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری ایک اعلیٰ و ارفع شاعری کا نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی فکر میں بالیدگی، فن میں پختگی اور زبان و قلم میں مزید چاشنی عطا فرمائے۔ آمین

نعت شریف

سیداولادرسول قدسی مصباحی، نیویارک امریکہ

شاہِ کونین کی تمثیل محال است محال
مثلِ قرآن ہو تنزیل محال است محال

ہر اصول ان کی شریعت کا ہے عینِ فطرت
کیسے کہتے ہو کہ تعمیل محال است محال

جس کا ہر گام پہ رہبر ہو رضا کا مسلک
ایسے خوش بخت کی تضلیل محال است محال

حشر میں منکرِ شانِ شہِ عالم کے لیے
باغِ فردوس کی تحصیل محال است محال

کی ہے قرآنِ مقدس نے صراحت اس کی
رب کے کلمے میں ہو تبدیل محال است محال

عزتیں جس کو عطا خالقِ کونین کرے
کوئی اس کی کرے تذلیل محال است محال

جس کا دل ہے ختم اللہ کا مصدر اس میں
حق کے پیغام کی تقبیل محال است محال

جس میں ہو ذوقِ شریعت کا سراسر فقدان
اس کے کردار کی تشکیل محال است محال

قدسیؔ اشعارِ رضا میں جو بلندی ہے نہاں
ایسی اب رفعتِ تخئیل محال است محال

نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مفتی شمیم القادری، مظفرپور

بجز سرکار کے یہ وصف پانا غیر ممکن ہے
خدا کا اس طرح جلوہ دکھانا غیر ممکن ہے

حضوری کا شرف اسطرح پانا غیر ممکن ہے
دنی کے قرب میں جانا اور آنا غیرممکن ہے

نبی کوئی بھی ہوسب نے عروج بیکراں پایا
مگر سرکار سا معراج پانا غیر ممکن ہے

کہا جبریل نے سدرہ پہ جا کے یا رسول اللہ
اب آگے آپ جائیں میرا جانا غیر ممکن ہے

نبی کوئی بھی ہو امت کی خاطر جتنا بھی رولے
مگر انکی طرح آنسو بہانا غیر ممکن ہے

خدا معطی وہ ہیں قاسم کسی کا اسطرح لوگو
ہو مٹھی میں خدا کا کل خزانہ غیر ممکن ہے

زمیں کا کوئی گوشہ ہو کوئی جو چاہے کھا پی لے
مدینے کی طرح کا آب ودانہ غیرممکن ہے

منافق کوئی بھی ہوگو نمازی بھی وہ بنتا ہو
مگر ان کی نظر سے بچ کے جانا غیر ممکن ہے

شمیم القادری مدحت سرائی جتنی بھی کرلو
مگر حسان سا نغمہ سنا نا غیر ممکن ہے

نعت رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

مفتی شاکر حسین سیفی، کراممبئی

صبح، تیری ہے، تری شام، رسول عربی
سارا عالم ہے ترے نام، رسول عربی

دل، ترے کعبۂ اوصاف کا کرتا ہے طواف
باندھ کر نعت کا احرام، رسول عربی

کب سے امید کی چھت پر ہے تمناء نظر
آ ! مرے چاند، سرِ بام، رسولِ عربی

ہے ترے نور سے میخانۂ عرفاں، آباد
دے ! ضیا بار کوئی جام، رسولِ عربی

روئے خورشید بھی کرتا ہے جہاں کسبِ ضیا
وہ تری زلفِ سیہ فام، رسولِ عربی

ہے ترے تیغۂ ابرو میں بھی وہ تابِ یقیں
کٹتی ہے گردنِ اوہام، رسول عربی !

سارے آفاق میں پھیلی ہیں کرم کی شاخیں
ظلّ ِ رحمت ہے ترا عام، رسولِ عربی

ہر لبِ نطق، ترا اسمِ گرامی چومے
کیا ہی پیارا ہے! ترا نام، رسولِ عربی

جس کے سودے پہ ہو آمادہ تری چشمِ کرم
کیوں نہ ہو جائے وہ نیلام، رسول عربی

تیری توصیف کو ہے بحرِ سیاہی تھوڑا
کم ہیں اشجار کے اقلام، رسول عربی

جن کو اللہ کے ایّام کہا قرآں نے
اُن میں ہیں تیرے سب ایام، رسول عربی

سر خروئی ہے ترے ماننے والے کو سدا
تیرا منکر ہے بد انجام، رسول عربی

نظم سیفی کو نہیں اہل دُوَل سے مطلب
بس تری نعت سے ہے کام، رسول عربی

منقبت درشان حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا نوراللہ مرقدہ

مولانا اشرف رضا، رائے پور

خدا کے بندۂ حامد شہِ حامد رضا تم ہو
نبی کی عظمت و ناموس پر دل سے فدا تم ہو

اٹھایا دین کی خدمت کا پرچم اپنے ہاتھوں میں
معین و خادمِ دینِ محمد مصطفیٰ تم ہو

ہر اک فن میں امامت کا تمہیں درجہ رہا حاصل
معارف کے فلک کا مہر و ماہِ پُر ضیا تم ہو

”فتاویٰ حامدی“ پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے
رضا کے علم و حکمت کا مکمل آئینہ تم ہو

سجا ہے ”حجۃ الاسلام“ کا طغریٰ تمہارے سر
ہمارے راہبر تم ہو، ہمارے رہنما تم ہو

قیادت قوم و ملت کی بصد اخلاص فرمائی
گروہِ اہلِ سنت کے نقیب و پیشوا تم ہو

تمہیں فنِ خطابت میں بھی ملکہ خوب حاصل تھا
خطیبِ اعظمِ ہندوستاں حامد رضا تم

نبی کے عشق نے تم کو حیاتِ جاوداں بخشی
روا ہے گر کہے اشرفؔ ”بقا بعدِ فنا“ تم ہو

فکرِ شعور و عمل

حضرت مولانا تحسین ضیا مصباحی

اے وہ کہ جس کو خالقِ اکبر پہ ہے یقیں
اے وہ کہ جو نبی کی شریعت کا ہے امیں

اے وہ کہ جس کے سجدوں سے روشن رہی جبیں
باطل کے آگے سر جو جھکایا کبھی نہیں

اٹھ پھر سے اپنی قوت و ہمت سمیٹ کر
کیوں سو رہا ہے چادرِ غفلت لپیٹ کر

اک پل میں جس نے رخ کو ہوا کے بدل دیا
فرعون کا غرور و تکبر کچل دیا

پتھر کو جس نے چٹکی سے اپنی مسل دیا
جس نے جہاں کو فکرِ شعور و عمل دیا

اٹھ پھر سے اپنی قوت و ہمت سمیٹ کر
کیوں سو رہا ہے چادر غفلت لپیٹ کر

آرام سے جو اس طرح سویا ہوا ہے تو
دنیا سمجھ رہی ہے کہ مردہ پڑا ہے تو

بے حس ہے بے شعور ہے کچلا ہوا ہے تو
کس خوابِ بد نگاہ میں کھویا ہوا ہے تو

اٹھ پھر سے اپنی قوت و ہمت سمیٹ کر
کیوں سو رہا ہے چادرِ غفلت لپیٹ کر

اٹھ تجھ کو ہے بزرگوں کے کردار کی قسم
رعب عمر کی حیدرِ کرّار کی قسم

اسلافِ دیں کی خدمت و ایثار کی قسم
اور تاجِ زریں، جبہ و دستار کی قسم

اٹھ پھر سے اپنی قوت و ہمت سمیٹ کر
کیوں سو رہا ہے چادر غفلت لپیٹ کر